

بہی چاند

اس وقت بھی بلیو جینز کے ساتھ ریڈ ہاف سیٹ
شرٹ پہنے وہ انتہائی تروتازہ اور فریش لگ رہا تھا۔
”مگر میں اپنی ہار تسلیم کر لوں تو۔“ وہ اسٹائل سے
مڑنے کے بولا۔

”میں اپنے سینے پہ فتح کا جھنڈا نہیں لگا سکتا۔“ وہ
صاف منہ نہ دیا۔

”طارق یہ پاگل پن ہے۔ کیا میں تمہارے سامنے
ایک عورت کی باؤفا ہونے کی مثال نہیں ہوں؟ میں
عورت کا اعتبار و وقار تمہاری نظروں میں بحال نہیں
کر سکی کیا۔“ جس موضوع کو وہ اس کے سامنے
چھیڑنے سے گریز کرتی تھیں وہ آج اپنی کرناڑا کہ
اپنی ذات کی بے اعتباری ہیں سے شروع ہوتی
تھی۔

”اپنی کچھ احساسات آپ کی رگوں میں لوہے کے
ڈوڑتے ہیں۔ جب بے اعتباری اپنی ذات کے گرد
جنگلی تیل کی مانند لپٹ جائے تو کسی کو ان اذیتوں کا
سامھی بنانا سراسر ظلم ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ
میں کسی بے اعتبار کر سکتا ہوں یا کسی کو اعتبار کی چادر
دے سکتا ہوں۔“ وہ سیدھی بات کرنے کا عادی تھا۔
”مگر طارق۔“

”آپنی پلیز بھوک لگی ہے۔ اگر کھانے پہ روکا ہے تو
کھلا بھی دیں۔“ وہ یوں ہی کرتا تھا بات کا رخ یوں بدل
لیتا جیسے انتہائی غیر اہم موضوع پہ قیمتی وقت ضائع ہو رہا
ہو۔ ازکی نے افسردگی سے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر
پچن میں آگئیں۔

طارق دس سالہ قاسم اور آٹھ سالہ فضا کے ساتھ
باتوں میں لگ گیا۔

”آپنی پلیز میں اس ٹاپک پہ کوئی بات نہیں کرنا
چاہتا۔“ ہمیشہ کی طرح جیسے ہی ازکی نے طارق سے
شادی کی بات چھیڑی وہ ہستے سے ہی اکھڑ گیا۔ یہی وہ
مقام تھا جہاں وہ سن کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔
”مگر کیوں طارق۔۔۔ کیوں اپنی زندگی کو برباد کرنا
چاہتے ہو۔“

”آپنی اس صورت میں نا صرف میری بلکہ کسی اور
کی زندگی بھی برباد ہوگی۔“ وہ کھڑکی سے روپہ آتی جاتی
گاڑیوں کو دیکھ کے بولا۔

”کیوں۔۔۔ کیوں ہو گا ایسا۔“ وہ اس کی باتوں سے چڑ
گئیں۔

”کیونکہ میں اپنی نیچر سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے
رشتے نبھانے کا سلیقہ نہیں ہے۔“ وہ بھرپور اطمینان
سے بولا۔

”طارق مت ایسی باتیں کرو۔ تم ماشاء اللہ
خوبصورت پڑھے لکھے ذہین نوجوان ہو۔ بینک میں
اچھی جاب ہے۔ اگر تھوڑی بہت پراہم ہے بھی تو اپنی
اس کمزوری پہ قابو پاؤ۔ لوگ اپنی ول پاور پہ دنیا رخ
کرنے کا عزم کرتے اور کر کے دکھاتے ہیں تم اپنی
ذات کو تسخیر نہیں کر سکتے کیا یہ تمہاری شکست نہیں
ہے۔“ ازکی نے ہلکے سے غصے سے کہا کہ انہیں اس
کے خیالات پہ حیرت ہو رہی تھی۔

”کیا کی تمہی اس میں۔۔۔ ماشاء اللہ نظر بھر کے دیکھنے
کو جی چاہتا تھا۔“ ازکی کی نظریں اس کا جائزہ لینے کے
بعد سوچ میں پڑ گئیں۔ وہ انتہائی نفیس ذوق کا مالک تھا۔
لباس سے لے کر گفتگو تک سے دوسروں کو متاثر کرتا
تھا۔

”کیوں کر رہے ہو طارق تم ایسا۔ لیا یہ پاگل پن نہیں ہے۔“ سالن میں نمک ڈالتے ہوئے ازکی کا دھیان بھائی کی طرف چلا گیا۔

ازکی کی زندگی میں اس بھائی کے علاوہ میکے میں رشتہ اور کوئی تھا بھی تو نہیں۔ وہ سب جانتی تھیں کہ وہ ایسا کیوں ہو گیا تھا مگر وہ کچھ کرینہ پارہی تھیں۔ اس کے سامنے بے بسی ہو جاتی تھیں مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اس کا گھر بس جائے۔ وہ اپنی عمر کا ایک دن بھی مزید ضائع نہ کرے۔ اور اس کے لیے انہیں ہمت سے اس کے آگے ٹوٹ جانے کا حوصلہ کرنا تھا۔

”واہ آپ کی لذت ہے آپ کے ہاتھ میں۔“ وہ بسن کے ہاتھوں کے پکے کھانے کی لذت کو کہیں نہیں پاتا تھا۔

اور واقعی ہمیشہ کی طرح آج بھی ازکی کے ہاتھ کے بنے کوستے اندرے کا سالن حقیقتاً ”لذیذ تھا۔ انہیں کوٹنگ کا بے پناہ شوق تھا۔ بچوں کی وجہ سے باہر نکلنے کے کوئی کوٹنگ گورن کرنا تو مشکل تھا مگر اس شوق کی تکمیل لی وی پر چلنے والے مختلف کھانا پکانے کے پروگرامز نے کردی۔

آج ازکی کے شوہر جمیل احمد کی کہیں دعوت تھی۔ سو انہوں نے طارق کو زبردستی روک لیا۔ نسبت یہ بھی تھی کہ اس سے آج کھل کے بات کریں گی۔ کھانا کھانے کے بعد ازکی نے دونوں بچوں کو اٹھایا۔

”چلو اٹھو بچو ماموں کو شب بخیر کو صبح اسکول جانا ہے۔“

”ماما بھی اتنی جلدی۔“ دونوں نے منہ بنایا۔

”جلدی کیا مطلب۔ تاہم دیکھو کیا ہو گیا ہے بیبا آئے اور تم لوگ جاگ رہے ہوئے تو بتا ہے نا کیا ہو گا۔“ انہوں نے روایتی ماؤں والی دھمکی دی۔

حالانکہ آج تک کوئی طوفان نہ آیا تھا۔ اٹا لیا دونوں کو لوری دے کے سلاتے۔ وہ دونوں منہ بناتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”طارق میں چائے لاتی ہوں۔“ ازکی بچوں کو سلا

کے لو میں تو وہ لی وی کے چہنلو بدل رہا تھا۔

”چھا۔ آپ کی مگر مٹھا کم رکھیے گا۔“

”جو حکم۔“ وہ کچھ دیر بعد بڑے اٹھائے آئیں۔ اور لی کو زری اٹھا کے خوبصورت نگ میں گرم گرم چائے انڈی ملی۔

”یہ لو۔“ کپ اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھینک کر کمرے کے تمام لیا۔

”طارق۔ کپ تک قدرتی رشتوں سے بھاگتے ہو گے۔ محبت تو تمہارے اندر اب بھی موجود ہے۔ جو مجھ سے کرتے ہو۔ میرے بچوں سے کرتے ہو۔ یہ محبت نہیں تو کیا ہے کیا بناوٹ؟“ آپ نے ایک دفعہ پھر ہمت باندھی۔

”آپ شاید آپ مجھے سمجھ نہیں پا رہیں۔ کیا آپ نے میرے دل میں بدلتے مزاج کو بھی محسوس نہیں کیا۔ میں ایک نارمل انسان ہرگز نہیں ہوں۔ میں نفرت کرتا ہوں ہر عورت سے ہر رشتے سے اور خاص طور پر میاں بیوی کے رشتے سے۔“ وہ سختی سے بولا۔

”صرف ایک رشتے کی سب وقائی ساری انسانیت پر مبنی نہیں ہوتی طارق۔“

”میری بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا۔“ وہ کمرے کے کھڑکی کے پاس آگیا۔ جہاں آسمان کو اندھیرے کی چادر نے بانہوں میں لے لیا تھا اور تاروں نے بارات سجائی تھی۔

”مگر میں تمہیں تمہاری زندگی کو یوں برباد کرنے کے لیے آؤا نہیں چھوڑ سکتی۔“ وہ اس کے سامنے آگے بولیں ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

”طارق معاف کرو انہیں۔“

”کیسے آپ۔ کیسے معاف کروں تب سے بکھرا ہوں آج تک نہیں سمٹ پایا۔ ہمت جوڑنا ہوں اپنے وجود کو مگر اتنی کڑچیاں ہوتی ہیں کہ جڑنے کی صورت ہی نہیں بن پا رہی۔“ بولتے ہوئے اس کی آواز گلے میں بی گھٹ کے رہ گئی۔

”نہیں طارق۔ نہیں۔ تم دیکھنا تمہاری زندگی

میں آنے والی لڑکی تمہارا اعتبار ٹوٹا دے گی۔“ وہ خود بھی رو رہی تھی۔

”آپ مجھے کسی دوسرے پہ نہیں خود پہ بے اعتباری میں جانتا ہوں میں صرف اذیت دیتا جانتا ہوں۔“

”میں کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ پاؤں گا مجھے مت بھجور کریں میں ایک ٹوٹا ہوا انسان ہوں۔“ وہ پھر رک نہ پایا وہ پکار رہی تھی۔

”وہ تم اس معصوم بچے کی مانند ہو طارق جس کا دل صاف و شفاف شیشہ ہوتا ہے۔ تم دیکھنا کسی کی محبت اس شیشے پر پڑنے والی گرد کو اپنی طاقت سے صاف کر دالتے گی۔ تب تمہیں زندگی کی خوبصورتی کا احساس ہو گا جو میں جانتی ہوں کہ تمہیں ہو۔“

وہ دونوں بسن بھائی ہی تو تھے ایک دوسرے کے لیے ہر رشتہ اور ان کا کوئی نہ تھا۔ اور پھر ازکی نے تو اسے ماں بن کے پالا تھا۔ اس کے دکھ کو وہ محسوس نہیں کرتیں تو پھر اور کون کرتا۔

آج پھر ایک کانٹوں بھری رات منتظر تھیں۔ ہم کتنا جی فرار چاہیں مگر بھاگ نہیں پاتے ان زہر آلود نقیوں سے جو ماضی کی صورت آپ کے حل اور مستقبل کے لیے اذیت بن جاتے ہیں۔

”میں نے جب رشتوں کو نبھانے کا سلیقہ نہیں سیکھا تو پھر آپ کیوں مجھے اس راہ پہ ڈالنا چاہ رہی ہیں جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔“

مجھے عورت کے ہر روپ سے نفرت ہے میرے لیے دنیا میں اگر کسی کے لیے کوئی گنجائش صاف نازک میں سے نکلتی ہے تو وہ ازکی آپ ہی یا پھر امتیازی خالہ اور جس تیسری عورت سے میرے وجود نے جنم لیا اس نے ہر رشتے سے اعتبار ختم کر ڈالا۔ اسے کوڑے پر سائے کہ آج تک ان زخموں کا مرہم نہ بن سکا۔ وہ زخم ناسور بن کے میرے وجود میں دھنسنے لے ہیں تمام عمران زخموں سے خون رستار ہے گا۔“

سرور کی شدت سے پھٹے لگا تو وہ اٹھ کے باہر آگیا

پھوٹا سا گھر تھا۔ دو کمرے اور ان کے آگے برآمدہ جس کے آگے جالیاں لگی تھیں اور برآمدے کی ایک سائیڈ پر پھوٹا سا پورچی خانہ تھا۔ برآمدے سے جالی کا دروازہ کھولا تو پھوٹا سا صحن تھا جہاں شاوی سے پہلے ازکی آپ نے دیواروں کے ساتھ رنگ برنگی ٹیلیں اور پھول لگا رکھے تھے۔ جالی کے ساتھ ہی بوگن ویلیا کی تیل لگی تھی جو پورے صحن کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ صحن میں ایک طرف پانی کا تیل تھا اور دوسری جانب گیٹ۔ بس یہ گھر تھا جو ان دونوں بسن بھائی کے لیے پناہ گاہ بنا جہاں امتیازی خالہ نے اپنے بوڑھے وجود کا مضبوط سہارا دے کے انہیں زندگی گزارنی سکھائی۔ آپ کی شاوی امتیازی خالہ کے بھانجے سے ہو گئی اور ان کی شاوی کے صرف دو سال بعد امتیازی خالہ اسے چھوڑ گئیں۔

ازکی آپ نے طارق سے ہمت اصرار کیا کہ وہ ان کے گھر آجائے مگر وہ نہ مانا۔ جمیل احمد تھوڑا ناراض بھی ہوئے مگر وہ اپنی بات یہ قائم رہا۔ اسے منظور نہ تھا کہ وہ کسی کے گھر رہے چاہے وہ کسی بسن کا ہی گھر

اورہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے فرحت اشتیاق کے 6 خوبصورت ناول

مناج جان ہے تو	قیمت - 300/- روپے
میرے ہمدرد میرے دوست	قیمت - 300/- روپے
ہم سہ	قیمت - 350/- روپے
وہ جو قرض رکھتے تھے	قیمت - 225/- روپے
دل سے نکلے ہیں جو الفاظ	قیمت - 225/- روپے
تین روئے آنسو	قیمت - 200/- روپے

ناول نمبر 45/- روپے

شمارہ 37 - اردو راز نامہ - نمبر 32735021

”میں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ انہوں نے سوال دہرایا۔

”فاطمہ ایک اور اذیت دینے کا میں کوشش کر رہا ہوں آگے اللہ بہتر کرے۔“ وہ بولا تو ازکی نے اس وقت خاموشی میں ہنسی جانی۔

مگر پھر انہوں نے یہ بات جمیل احمد سے بھی کی اور اس کے ساتھ اس بار سائیکل سٹ کے پاس جانے کا کہا۔

”ارے بالکل پاگل ہے یہ طارق بھی۔ بندہ بات تو کرتا ہے۔ خیر اندازہ تو تھا مجھے کہ وہ نفسیاتی کشمکش کا شکار ہے۔ مگر بات اتنی آگے بڑھ گئی ہے اس کا اندازہ نہ تھا۔“ جمیل احمد بھی سوچ میں پڑ گئے۔

”خدا یا میرے بھائی کی زندگی ان پریشانیوں سے نکال۔“ ازکی نے ہاتھ اٹھا کے پاک پروردگار سے دعا مانگی۔

”آمین۔“ جمیل احمد نے کہا۔

”ویسے ایک بات ہے ازکی میرا تو یہ خیال ہے کوئی سمجھداری لڑکی دیکھ کے اس کی شادی کر دی جائے تو وہ سنبھل جائے گا۔“ جمیل احمد نے کچھ سوچتے ہوئے مشورہ دیا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”کیوں کیا خیال ہے۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ جمیل۔ اس کا اعتبار ایسے ہی لوٹے گا۔ مگر پہلے آپ اس کے ساتھ جانے ڈاکٹر سے مل لیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ ازکی نے ہمت باندھی کہ اب انہیں بھائی کی جنگ لڑنی ہے۔ ہمیشہ بھائی بہنوں کا سہارا بن جاتے ہیں مگر اب گے بار بہن نے تہیہ کیا تھا کہ اسے اندھیروں سے نکالنا ہے۔ اور اللہ کا شکر تھا کہ جمیل احمد جیسا شخص ان کا سہارا تھا۔

کبھی کبھی زندگی کے اندھیروں میں کسی اجنبی کی

ہے کہ انسان اپنے دکھ تکالیف و پریشانیوں سے بھلا کر اس چمک سے اپنے وجود کو روشنی کا دمکنا کر لیتا ہے۔

ہاں بالکل ایسا ہوا تھا اس کے ساتھ بھی۔ وہ چھپ چاپ اپنی راہ چل رہی تھی جس کی دنیا باپ کے گھر پریشانیوں میں وہ تو وہیں سے شروع ہوئے دیں ہو جاتی تھی کہ اچانک۔

”ایکسکوز می۔“ کی آواز پہ پٹی تو ایک اجنبی متاثر کن شخصیت تھی مومچھوں کے ساتھ گہری سنجیدگی سے لبوں کو دانتوں تلے دبائے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ دل کی دھڑکنیں یوں بے قابو ہو گئیں کہ وہ ارا افتخار کے قابو میں نہیں رہیں۔ مگر اس دل کو نگاہیں تو ڈالنی تھیں کہ جوں دل کا یوں کسی اجنبی کے لیے بے قابو ہو جانا وہ بھی سرعام باعث رسوائی بن جاتا۔

مد مقابل جو شخص کھڑا تھا وہ ارا کے اندازے کے مطابق جو اس نے چند لمحوں میں لگایا تھا یہی کوئی ستائیس اٹھائیس سال کا ہو گا۔ وہ خود بھی حیران تھی کہ نجانے اسے عمروں کا تعین کرنا کیسے آ گیا تھا وہ تو ابھی اپنی عمر بھی نہ جان پائی تھی۔ سالوں میں تو ابھی سال کی ہی تھی مگر مسافت و تھکان صدیوں کی تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کب سے زندگی گزار رہی تھی ایک طویل سفر تھا جو طے کر آئی تھی اور ایک لمبی راہ گزر تھی جو منتظر تھی۔

دل میں سر حال یہ جستجو تھی کہ پکارنے والے سے معلوم تو ہو کہ کیسے پکارا، جبکہ دونوں اجنبی تھے، عمل اجنبی، اجنبی بھی ایسے کہ جس سے ملاقات کبھی خوابوں میں بھی نہ ہوتی تھی۔

”دراصل مجھے کلاس نو کی کلاس پچھڑے ملتا ہے۔“ اس نے وضاحت کی۔

”جج جی میں ہی ہوں ان کی پچھڑ۔“ ارا کا دل خواب دیتے ہوئے زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”ایک چھوٹی فضا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ اس لیے وہ اسکول بھی نہیں آ رہیں۔

”وہ میری سینیڈ۔“ ارا کو حقیقتاً افسوس ہوا کہ فضا کلاس کی ذہین بچی تھی۔

”کہا ہوا ہے اسے۔“ ارا نے پوچھا۔

”اسے ٹائٹل فائز بتایا ہے ڈاکٹر نے۔ اب اس کی عمر اس کی پڑھائی کے لیے پریشان ہیں۔“

”ارے بالکل بھی ٹینشن نہ لیں۔ ان کو بتائیے گا کہ فضا ماشاء اللہ کلاس کی ذہین بچی ہے۔ فوراً کور کرے گی۔ ابھی اسے مکمل ریسٹ دیں۔“ ارا نے مشورہ دیا۔

”ارے میری طرف سے پیار کیجیے گا۔“ ارا کہہ کے پھر کی نہیں کہ بچے اسمبلی انیڈ کرنے کے بعد کلاس میں جا چکے تھے اور پچھڑ ہونے کی صورت میں ہنگامہ بھی برپا کر چکے ہوں گے اور صبح کے وقت میڈم کے راونڈ بھی شروع ہو جاتے تھے۔

ارا نے وہ سارا دن ڈسٹرب گزارا۔ گھر آئی تو بھی عجیب سی کیفیت سے دوچار رہی۔ رات کھانے کے بعد چین میں آئی اور برتن دھوتے ہوئے دھیان منسلک اس اجنبی کی طرف رہا۔

وہ بستر پہ آئی تو ذہن کے پردے پہ ایک مہرے کی صورت آن گئی وہ خود بھی اپنی کیفیت پہ حیران تھی۔ وہ جھٹلانا چاہتی تھی، مگر دل بار بار اس کے ہی خیالوں میں الجھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اتنی کمزور تو نہیں تھی مگر آج پہلی دفعہ یوں ہوا تھا کہ وہ خود کو بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ اور پھر اس کے بعد کی کئی راتیں اس پر آنکھیں کے دروا کیے جا رہی تھیں۔

”یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔“ ماتھے پہ تھپے تھپے قطرے جھلکانے لگے۔

”میں بھلا کیسے مان لوں کہ میں اس اجنبی کی پہلی نظر سے ہی گھاٹل ہو گئی ہوں۔ وہ کیوں مجھے اپنا اپنا سا لگا ہے جیسے میں اس سے پہلے بھی مل چکی ہوں۔ یہ کیا ہو رہا ہے خدا یا۔ میں کیوں خود کو آزاد نہیں کر پا رہی ہوں۔ مجھے کیوں اس کی آواز اپنے وجود کے گرد ایک ہل کی مانند محسوس ہو رہی ہے جس سے فرار ممکن

میں لگ رہا۔“ ارا کے ابو معمولی کھڑک تھے، ان کی تنخواہ میں ہر سال گزرا رہا تھا کہ ان ہی دنوں تیز رفتار بس نے وہ سہارا بھی اپنی ٹھوکر کی نذر کر دیا اور زندگی کی سائیں ٹھم گئیں۔

ان کی ساری امیدیں بھی ڈوب گئیں، دو وقت کی روٹی بھی چھین گئی تھی۔

وہ چار بہنیں تھیں۔ اپنے رب سے یہ گلہ ضرور کیا تھا کہ اسے رب کاش بہنوں کو ایک بھائی ہی نواز دیتا مگر رب کے بھید رب ہی جانتے۔

سب سے بڑی فاطمہ باجی تھیں۔ میٹرک کے بعد جب کالج داخلے کی خواہش ظاہر کی تو اماں نے یہ کہہ کے تمام خواب توڑ دیے کہ ”بہٹی غریبوں کے لیے اتنی تعلیم بھی بہت ہے۔ کوئی ہنر سیکھ لے۔“ وہ چپ کر گئیں۔

دستکاری کے ایک سرکاری اسکول سے ڈپلومہ لیا اور گھر میں محلے کی لڑکیوں کو ہنر سکھانے لگیں۔ فاطمہ باجی کی منگنی ماموں زاد اچھ سے ہو چکی تھی جو بی ڈپلومہ ڈس میں کھڑک تھے۔ انجم بھائی انتہائی شریف النفس انسان تھے۔

دوسرے نمبر پہ فاطمہ باجی تھیں۔ انہوں نے پرائیویٹ لی اے کر رکھا تھا اور اب گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کے گھر کے دال دیے ہیں اپنا حصہ ڈال رہی تھیں۔ ان کی بھی منگنی پچا زاد جاوید بھائی سے ہو چکی تھی جو کسی پرائیویٹ لاء کالج میں ایل ایل بی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ کسی وکیل کے ساتھ کام بھی کر رہے تھے۔

فاطمہ باجی کے بعد ایلا بی بی تھیں نہ کوئی ہنر اور نہ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ارمان تھا۔ ہر وقت ہاتھ میں رسالہ ہوتا اور محترمہ ہوتیں۔

اماں کو غصہ آتا تو بے نقط سناتیں۔

یہ تیری جان کو پست کئے ہیں۔ تھریس خدائے کو ہو یا نہ ہو مگر یہ رسالے ضرور ہوں۔" انہوں نے رسالوں کا ذکر کچھ انداز میں کیا کہ وہ چاروں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

سب سے آخر میں وہ تھی اریا افکار۔ عقل و صورت اللہ نے فرصت سے بتائی تھی اور ذہن و سوچ کی پرواز بھی کافی اونچی تھی۔ بول چال اٹھنے بیٹھنے میں ایک وقار تھا۔ میٹرک کے بعد پرائیویٹ ایف اے اور پھر گریجویشن کیا اور اللہ نے اس کی محنت کا پھل اسے یونیورسٹی میں سیکنڈ پوزیشن کی صورت دیا۔ اس کے بعد انگلش لٹریچر میں باسٹرز بطور ریگولر اسٹوڈنٹ کیا کہ اسے اسکا لرشپ مل گیا تھا۔ مطالعے کا بے پناہ شوق تھا۔ اسی لیے کتابوں سے خوب دوستی تھی۔ کبھی جو کچھ اگر پاس بیچ جاتا تو فوراً بازار جاتی اور پرانی کتابیں لے کے اپنے مطالعے کے شوق کو پورا کرتی۔ کوئی بھی موضوع ہو کتاب ہو اس پر بے حساب بول سکتی تھی۔ اسی ذہانت کی بنا پر ایک ایسے پرائیویٹ اسکول میں جاب بھی مل گئی اور شام کو وہیں اونیٹنگ کوچنگ میں بھی پڑھاتی۔ یوں گھری گاڑی باعزت طریقے سے چل رہی تھی۔

ان حالات میں اس کے دل کا کسی اجنبی کے لیے یوں بے قرار ہونا اسے پریشان کر گیا۔ اب جبکہ کچھ عرصے بعد عاقلہ اور فاطمہ اپنی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو جاتیں وہ بھلا کیسے دل کی خواہش پر کسی اجنبی کی آواز پر پلٹ کے دیکھتی۔

آواز دینے والے کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ ایک پاگل لڑکی جو کہ تھی تو ایک عام سی مشرقی لڑکی جس کی عمر میں یہ سوچیں خود بخود ہی در دل پہ دستک دے دلاتی ہیں۔ دل اپنے آپ ہی بے قابو ہو جاتا ہے اس کے ایک بار پکارنے پہ دل بار بیٹھتی ہے۔ وہ شخص دل میں اتنی زبردستی قابض تھا کہ ذہن کسی اور بات کو سوچ ہی نہ رہا تھا۔ وہ جو زمانے کے سامنے مضبوط درخت کی مانند کھڑی تھی مگر اسے ایک شخص کی ایک تھک نے دیوانہ کر دیا تھا اور وہ مانتی تھی کہ چاہے غلط تھا یا صحیح مگر

یہ سب کچھ اچانک ہو چکا تھا۔ وہ باری کی۔ یہ کچھ بھی یا کیا وہ جاننے کی جستجو میں تھی مگر کچھ ہو ضرور کیا تھا۔



"فضا بیٹھی تنگ نہیں کرو جلدی سے یہ دودھ کا کپ خالی کرو۔" ان کی تیسری بار کمرے میں آئیں اور دودھ وہیں پرانے کپ کے تختی سے لیا۔

"اما دل نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ منہ ہٹا کے بولی تو صرف ایک ہفتے میں بالکل ہی کمزور ہو گئی تھی۔ ایک تو بیماری اور اس پر کھانے پینے کی بھی پوری تھی۔

"لیکن بیٹا اس طرح تو تب بالکل ہی دیک ہو جائیگی۔ اب آپ کو جلدی جلدی لٹھک ہونا ہے تاکہ اسکول جائیں۔" ان کی اسے زبردستی اٹھاتے ہوئے بولیں اور تکیے کے سارے بٹھایا۔

وہ منہ ہٹاتے ہوئے دودھ کے سپ لینے لگی۔

استے میں طارق آگیا۔

"السلام علیکم آپ۔" وہ کرسی بیڈ کے پاس کھینچ کے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو طارق۔"

"ٹھیک الحمد للہ۔" وہ شہادت سے مسکرایا۔

"طارق ایک ہفتہ گزر چکا ہے تم کل جا کے پھر اس کی مس سے مل لیتا۔ بہت فکر ہے اس کی مجھے۔"

"اگرے آپ اس کی ٹیپر کہہ رہی تھیں کور کر لے گی۔"

"مگر طارق اب کل سے دو سڑا ہفتہ چھٹیوں کا شروع ہو گا اور جو اس کی کنڈیشن ہے اسے اس ہفتے بھی ریست دینا پڑے گا۔ تو میں چاہ رہی تھی کہ اس کا تھوڑا تھوڑا کام ساتھ ساتھ کور کروالوں۔" ان کی فکریں چہرے سے عیاں تھیں۔

"اچھا آپی چلا جاؤں گا۔" وہ بے زاری سے بولا کہ وہ اس طرح نہیں جانے اور ملنے سے تنگ ہوتا تھا۔

"وہ دراصل بیٹل کوروز کہتی ہوں کہ ہالے کیوں لیں میں خود جا کے لسی کر آؤں مگر ان کی مصروفیات

ہیں۔

"جی مجھے کبھی آپ کے خلوص پہ شک نہیں ہوا۔"

"تو پھر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جانے سے پہلے اپنا

پرائیمری بناؤ۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

یہ ختم نہیں ہوئیں۔ اور ہمیں بچانے کیا ہو جائے گا اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو۔" وہ منہ ہٹا کے بولیں۔

"آپنی میں بات کر آؤں گا۔ آپ کو کہہ دیا ہے نا۔"

وہ نچ ہو کے بولا کہ جیسے ٹاپک بدلنا چاہ رہا ہو۔

اس کے ساتھ یوں ہی ہوتا تھا ایک دم سے بات کا رخ بدل دیتا تھا۔ جو کام اس کی مرضی کے خلاف ہو ان پر زیادہ دیر بات کرنے سے بھجنا جاتا تھا۔

"اٹھنا کھانا ہے۔" ان کی فضا سے دودھ کا خالی کپ لے کے سائڈ بیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ہاں جی کھالیا ہے۔ ایک کپ چائے پیوں گا۔"

"بھائی جان میرا اہم میں اگر خود سمجھ پاتا تو یقیناً" سنبھل پڑا ہوتا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"لیکن بات تو کر سکتے ہیں نا ہم۔" وہ کافی سمجھدار انسان تھے۔

"جی پوچھیں آپ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"کچھ چیزیں یا واقعات بھلا دینے میں بہتری ہوتی ہے طارق انہیں اگر ہر وقت دل و دماغ میں رکھا جائے تو وہ آپ کو ہر وقت کی بے سکونی دے دیتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہوا وہ سب بھولنے کی کوشش کرو انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔"

"نہیں ماننا ہوں مگر اپنے اندر کی جنگ بار بار ہار جاتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے وہ کچھ مناظر میری آنکھوں کے اندر سمٹ گئے ہیں میں کچھ اور دیکھتا بھی چاہوں تو دکھائی نہیں دیتا۔" وہ تھکا تھکا سا بولا۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" طارق کا انداز گفتگو پریشان کن تھا۔ قیاس احمد نے مزید اس موضوع پر بات کرنے کے بجائے اس کے علاج کے متعلق جاننا چاہا۔

"وہ کوئی نفسیاتی بیماری بتاتا ہے۔" شیزہ فریڈا۔

"اور علاج کیا ہے اس کا۔"

کوئی خاص نہیں خود سے جنگ ہے اور جب آپریشن کا ٹاپک ہو تو۔

نیشنل سکون کی گولیاں ہیں جس سے ذہنی سکون مل جاتا ہے۔

"چلو کل میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔ لیانٹمنٹ لے لیتا۔ اور کبھی مت سوچنا کہ تم اکیلے ہو تمہارے ساتھ تمہارا بھائی ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم لڑنے کا ارادہ کرو۔ حوصلہ میں دوں گا۔"

"جی اچھا بھائی جان۔" وہ اس مہمان کے سینے سے لگ کے لیوں سے صرف اتنی ہی کہہ سکا۔

"جی طارق کیسے ہیں آپ۔" ان کی باری آئی تو

167

ڈاکٹر نے سڑا لے پوچھا۔
”شکر ہے۔“ وہ جبراً مسکرایا۔

”مسٹر جمیل۔ یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے اور قابل علاج ہے۔ اگر طارق خود کو شش کرے تو ہی اس کو آپریٹ بٹ ابھی ان کو اپنے اندر عزم پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کبھی کبھی کچھ حالات انسان کے ذہن پہ حاوی ہو جاتے ہیں۔ بس ہمت اور حوصلے سے ان سے جنگ کرنی پڑتی ہے۔“

”آپ کی جو بھی ایڈوائز ہوگی ہم اس کے مطابق چلیں گے۔“ جمیل نے اس وقت زیادہ لمبی تفصیل سے بات اس لیے نہ کی کہ وہ ساتھ تھا۔ اور اس کے سامنے یہ مناسب نہ تھا۔

مگر اگلے ہی دن وہ طارق کے نوٹس میں لائے بغیر دوبارہ ادھر چلے گئے۔

”دیکھیں مسٹر جمیل۔۔۔ ایک ڈپریشن کی شدید قسم ہے۔ اس میں آدمی کے روزمرہ معمولات میں عجیب و غریب جذباتیت ارتعاش اور بے چینی ہو جاتی ہے۔ وہ social asolation میں چلا جاتا ہے۔ تیار ہونا پسند کرتا ہے۔“

اس میں خواہشات و جذبات کی کمی ہو جاتی ہے اور وہ قریبی رشتوں سے بھی بعض اوقات مس لی ہو کر جاتا ہے۔ مگر یہ سوشل لی ہو رہا ہے، اگر طارق چاہیں تو بڑے آرام سے اس فیس سے نکل سکتے ہیں۔“

”تو پھر اب کیا کیا جائے۔“
”دیکھیں انہیں آپ لوگوں کی توجہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ویسے ان کا رویہ پہلے سے بہتر ہے۔ اب وہ تیار ہے۔ تھے کہ آفس کے لوگوں کے ساتھ بھی تھوڑا فرسٹڈل ہونے لگے ہیں۔“

”اگر ہم ان کی شادی کر دیں تو۔“ جمیل احمد نے مشورہ چاہا۔

”بالکل یہ تو بلکہ بہتر ہوگا۔ بعض دفعہ یہی تعلقات میں اندر اسٹینڈنگ سے اس علاج میں بڑا فائدہ ملتا

ہے۔ مگر لڑکی کا انتخاب بہت سوچ کے طارق کے مزاج کو سامنے رکھ کے کیجئے گا۔“

”جی بالکل۔“ جمیل احمد نے مسکرا کے کہا اور اجازت چاہی۔

جمیل احمد نے ازکی کو اس کے لیے کوئی اچھی سمجھداری لڑکی ڈھونڈنے کا کام۔ ازکی بہن بھی سب کچھ بھول کے بھائی کی شادی کے خواب دیکھنے لگیں۔ پہلے تو وہ بڑی پانی ہی پڑنے نہیں دے رہا تھا مگر ازکی نے رونا شروع کر دیا۔

”آپلی میں ایک بے ترتیب شخص ہوں۔ میرے خیالات میں یکسانیت نہیں ہے۔ میں تنہائی میں اکثر خود پہ بھی تپ و پکار شروع کر دیتا ہوں۔ آپ کو مجھ سے الگ ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ میں سادہ گفتگوں میں پاگل ہوں۔“ وہ ہنسا۔

”پاگل بن بھی علاج سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ تم کوئی پتھر مارتے ہو۔“ وہ پھٹ پڑیں۔

”بہر حال آپلی میں کیسا ہوں، کیا کرتا ہوں اس کو چھوڑیں، مگر یہ یاد رکھیے گا کہ اس لڑکی کے آگے جو ایدہ آپ ہوں گی، میں نہیں۔ کریں اپنا شوق پورا۔“ وہ سچ کے بولا اور وہاں سے نکل گیا۔

ازکی کی آنکھوں کے سامنے وہ وقت آن کھڑا ہوا جب وہ اور طارق اپنے گھر میں تھے۔ بابا بھی ہریاب کی طرح مہربان سایہ تھے جب وہ گھر میں ہوتے تو یوں لگتا تھا جیسے لوہے کی مضبوط دیوار نے اپنی پناہوں میں لے رکھا ہو۔ ماما بھی تھیں جو نام کو تو ماں تھیں مگر خوش رنگ تھیں۔ جنہیں رنگ پرستی پھولوں کی خوشبو پسند تھی۔ اکثر کوئی نہ کوئی آدمی گھر پہ ملتا جب بھی طارق اور ازکی اسکول سے لوٹے انہیں ماما کی توجہ نہ ملتی۔ بلکہ ماما انہیں کمرے میں بھیج دیتیں۔

اور پھر ایک دن جب وہ دونوں بولے تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ بابا خوبصورت فی وی لاؤنج کی راکنگ چیئر پہ حد حال بیٹھے تھے اور سامنے ایک اچھی اور ماما کی لائیں پڑی تھیں۔ ان کے اوپر چادریں پڑی تھیں جن سے ان کے جسموں کو بھانپا گیا تھا۔ ننگے وجود پر وے میں

جی عیاں تھے۔ ان کے اوپر سفید چادریں تھیں، مگر وہ غنید چادریں غلاہٹ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں پتھر کے ہو چکے تھے۔

”بابا، ماما۔۔۔“ ازکی بھاگ کے ماں سے لپٹی تو جیسے سوئے ہوئے محل میں پائیل ہوئی۔

”ازکی بیٹا، طارق میرے بیٹے ادھر آؤ دونوں۔“ بابا نے پکارا تو وہ دونوں ان کی طرف آگئے۔

”میرے بچوں میری بات غور سے سنو۔ تمہاری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی اور شاید میں بھی نہ رہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھنا۔ ازکی آپ بڑی بہن ہو بھائی کا خوب خیال رکھنا۔“

”مگر بابا۔۔۔ ماما کو کیا ہوا ہے۔“ طارق نے تڑپ کے پوچھا۔

”بیٹا جب محبت کرنے والے دغاویں تو دل و دماغ پہ قابو نہیں رہتا۔ میں نے تمہاری ماں کو چاہا، ہم دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں سے بغاوت کر کے شادی کی تھی، مگر وہ بے وفا ہو گئی، میں نے اپنی ساری زندگی سارے رشتے اس کی خاطر قربان کر دیے اور اس نے میری عزت، محبت اور اعتبار کا جنازہ نکال دیا۔ میں نے ان دونوں کو غلط دیکھا، میرے بچوں میں پاگل ہو گیا تھا اور یہ سب کچھ ہو گیا، تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے نفرت نہ کرو۔ مجھے معاف کر دینا کہ میں نے تم دونوں کا بالکل نہیں سوچا، مجھے معاف کر دینا۔“ وہ دونوں کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کے رو دیے، بکھر گئے ٹوٹ گئے۔

وہ دونوں ان کی کچھ باتیں سمجھے اور کچھ نہیں، مگر آنسو دونوں کی آنکھوں سے رواں تھے۔

”اچھا میری باتیں غور سے سنو۔ میں نے شہر میں خالہ امتیازی کو فون کر دیا ہے۔ وہ تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گی، ان کو بالکل ٹھیک نہ کرنا اور مجھے معاف کر دینا۔“ انہوں نے دونوں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور اتنے میں پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بجنے لگے بابا نے خود ہی پولیس کو فون کر دیا تھا اور پھر بابا نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

انہوں نے اقرار جرم کر لیا، بابا یہ کوئی الزام نہ لگایا، کہہ دیا کہ شک کی بنا پر دونوں کو قتل کر دیا اور یوں فیصلہ بابا کے خلاف ہو گیا اور انہیں سزائے موت ہو گئی۔ وہ بابا جان کے ساتھ ان کی آخری ملاقات تھی۔ جب دونوں خالہ امتیازی کے ساتھ ان سے ملنے گئے۔

جمیل سپرنٹنڈنٹ نے انہیں دیکھ کے ایک گرمی لمبی سانس لی اور جو نیر کو آؤر کر لیا کہ ملاقات کروائے۔

ان کے بابا بہت خوبصورت نوجوان تھے۔ ان کی شخصیت میں ایک عجیب سا وقار تھا۔ دونوں ان کے سامنے گئے تو انہوں نے بھیج کے دونوں کو سینے سے لگایا۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ تمام کے کبھی ازکی آپلی اور کبھی طارق کا چہرہ بار بار چومتے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا رواں تھے۔

”بابا۔“ ازکی نے انہیں پکارا تو بابا نے ان کے آنسو پونچھے اور انہیں دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔

”نہیں میری جان تم میری بات غور سے سنو۔ آج اور کل جتنا جی چاہا رو لینا کہ ان آنکھوں سے سارے غم و غل جائیں۔ مگر اس کے بعد میرا مطلب ہے کل کے بعد تم دونوں کو بہت بہادر بننا ہے۔“ تب وہ دونوں سمجھ نہ پائے کہ کل کے بعد کیوں نہیں رونا۔ البتہ خالہ امتیازی کی سسکیاں گونجنے لگیں۔

”تم دونوں نے اب عمر بھر ایک دوسرے کے آنسو پونچھنے ہیں۔ میرے بچوں میں نے کاش تم دونوں کی خاطر ضبط کر لیا ہو نا۔ مگر اب وقت گزر چکا ہے۔ خیر میں نے وکیل صاحب کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا وہ تم دونوں کے نام الگ الگ کر دیا ہے۔ میری پانچ کنال زمین وکیل صاحب نے تم دونوں کے نام ٹرانسفر کر دی ہے، گھر کو بیچ کے رقم تم دونوں کے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہے۔ اسکول باقاعدگی سے جاتا اور نماز، روزے کی پابندی کرنا اور ہر دعا میں میرے لیے اور۔ اور۔ اپنی۔ مم۔ ماں کے لیے دعا کرنا کہ اللہ ہم دونوں کو بخش دے۔ بہت اچھے بننا کہ میں نہیں دیکھ پایا تو کیا یہ دنیا دیکھے کہ میرے بچے اتنے

ایک ہی وقت میں۔ سیاری خالہ کو بائیں طرف دیکھا۔
اب کے وہ خود کو سنبھال چکے تھے۔ طارق کو کھلی دیر سینے سے لگائے رکھا۔
”طارق آئی کو بھی جک نہیں کرتا۔“
”جی ہاں۔“ طارق نے اثبات میں سر ہلایا۔
تب وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ ان کے بابا اگلے ہی دن ان سے جدا کر دیے جائیں گے۔
اس کے بعد بابا نے امتیازی خالہ سے دھیرول باتیں کیں۔

وقت کی رفتار بھلا کبھی تھی تھی کہ اب تھمتی۔
ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ سپاہی کی آواز گونجی تو آخری بار بابا نے دونوں کو پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔
وہ رات عجیب سی بے گلی تھی۔ خالہ امتیازی کے ساتھ ان دونوں کی آنکھوں سے بھی نیند کو سوں دور بھاگ گئی تھی شاید انہیں بھی کچھ ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔

خالہ امتیازی نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ وہ دونوں بھی سورۃ یاسین پڑھنے لگے۔ خالہ کے آنسو دیکھتے تو وہ بھی رونے لگتے۔ مگر کوئی ایک دوسرے کو سہارا نہ دے سکا۔

اُسی رات کو خالہ نے نوافل پڑھنے شروع کر دیے۔ اور پھر آہستہ آہستہ انہیں خود پہ ضبط نہ رہا اور سسکیاں آواز میں بدلتی چلی گئیں۔ فریادیں چیخیں۔ گھٹے کے لوگ بھی جمع ہونے لگے۔
ان کی کے اندر بے چینی۔ ہونے لگی تو وہ ادھر ادھر پھرنے لگی۔ موت و زندگی کے فلسفے سے نا آشنا تھی کہ عمر کا قصدا تھا مگر یہ تو جانتی تھی کہ مرنے والے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاتے ہیں اور اس کے بابا کی زندگی کا آخر بھی گل ہونے والا تھا۔ بار بار اٹھ کے خشک لبوں کو تر کرتی۔

طارق کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اس کا کلا دبا رہا ہے۔ وہ بار بار اپنے میں نہا جاتا جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو خالہ امتیازی کی گود میں سر مچھلایا۔
اُذان کے ساتھ ہی خالہ با آواز بلند کھڑے ہو گئیں

اور آواز سے آوازیں ملتی گئی ہیں۔
”ما اللہ۔“ وہاں موجود ہر مردہ عورت بڑھنے لگی اور پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی وہ بالکل پرسکون ہو گئیں اور انہیں اپنی سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
”چلیں۔“ آنسوؤں نے گھرے گھرے انداز میں کہا اور پھر سب چل پڑے وہ دونوں ان کے ساتھ چلے گئے اور پھر سب بابا کو لے آئے اور اسی شام وہ نظروں سے بھی اوجھل ہو گئے۔ ان کا بے جان وجود پہر و خاک کر دیا گیا۔

بابا کے بعد خالہ امتیازی نے دونوں کو سہ پہر نماز میں سہارا۔ ہر نوالے میں اپنی محبت سمولی۔
دونوں اسکول بھی جانے لگے۔ سب کچھ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا مگر کچھ ایسی کمی تھی جو طارق کے اندر رہ گئی تھی۔ آپنی کی شادی کے بعد جلد ہی خالہ امتیازی بھی دنیا سے چلی گئیں۔
پھر اس کے بعد زندگی بھر وہ کسی رشتے پہ اعتبار نہ کر سکا۔

ایسے میں کسی کو زندگی کا سا تھی بنالینا اسے اذیت دے رہا تھا۔ مگر آپنی کے بہت احسانات تھے وہ ہر لمحہ اس کے لیے اس کے۔ کچھ سکھ کی ساتھی رہی تھیں۔

اترا ہے میرے دل میں کوئی چاند مگر سے اب خوف نہیں ہے کوئی اندھیروں کے سفر سے وہ بات ہے مجھ میں کہ کوئی مجھ سا نہیں ہے اے کاش کوئی دیکھے مجھے میری نظر سے ارما زیر اب گنگنائے ہوئے اگلے دن کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔ باورچی خانے میں اتنا گوند جتنی ایلا کافی دنوں سے اس کے بدلے بدلے اطوار دیکھ رہی تھی۔

”سنو ارما۔“ آئے کی بات ہمیشہ کی کلام چور ایلا نے پانی ڈال کے تنگے کے نیچے ہی چھوڑ دی کہ دلچاس میں جو بائیں تھیں وہ کرنے کی جلدی تھی۔ سو اس کے سامنے چلی آئی۔

”ہوں سنو۔“ وہ بدستور من رہی۔ مگر اسے ہی مایوس نہ کیا۔
”آج کل تم کچھ بدلی بدلی لگ رہی ہو۔ جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے۔“
”کک۔“ کیا مطلب۔“ دل میں چور ہو تو زبان (کھڑی جاتی ہے۔
”گو یا میرے اندر کی تبدیلی میرے چہرے سے عیاں ہونے لگی ہے۔“

”جناہ یہ دھمکے دھمکے سروں میں تل میل۔ چہرے پہ بے ساختہ مسکراہٹ رہنا یہ تو صاف صاف دل پہ حملہ لگتا ہے۔“ ایلا نے کھوجی نظریں اس کے چہرے پہ جماتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ ارما افکار تھی خود کو سات پردوں میں چھپانے کے ہنر سے۔“ نجی واقف سوبل میں سنبھل گئی۔
”حملہ ان فکرت میرے دل پہ نہیں بلکہ تمہارے دل پہ ہوا ہے۔ جو لوگ کی ہو گئی باتیں کرنے لگا ہے۔“

”ارے نی لی استاروں کی نظریں قیامت کی ہوتی ہیں۔ ہم نے بھلے خود بھی اس میدان میں ہاتھ نہ مارا۔“
”مگر ان رسالوں نے ہمیں وہ کچھ سکھایا ہے جو لوگ تجربوں سے سیکھتے ہیں۔“ وہ مسکرا کے بولی۔

”تم میرا مشورہ مانو تو یہ رسالے پڑھنا چھوڑ دو۔“
”دچو نہ مانو مگر کل۔ ہاں آج نہیں تو کل تو بات کھل ہی جائے گی۔ کیونکہ عشق اور مشق پھپھائے نہیں جھپٹتے تب بات ہوگی ارما افکار تم سے۔“ وہ نوکمر کے چلی گئی مگر ارما کو سوچ میں ڈال گئی۔

”ہم بھی تو چاہت تھیں کوئی جملہ میرے کانوں میں بڑا ہی نہیں اور میں بدل گئی دو سرے محسوس کرنے لگی ہیں مگر میں کیوں بدل رہی ہوں۔ کیا ہوا ہے فقط ایک شخص کو دیکھا اور دل کو اچھا لگا بس اتنی سی بات پہ میرے چہرے کا رنگ بدلنے لگا ہے۔“ بہت سے سوالات دل سے اٹھنے لگے۔

”ارے ایلا ہزار بار تجھے کہا ہے یہ تو حاکم نہ کیا کر۔“ کہاں جو نجی اندر داخل ہو میں تل کے نیچے پر ات دیکھ کے سمجھ گئی کہ آٹا ایلا نے ہی گوندھا

”ہوں۔“
”ماں السلام علیکم۔“ ارما نے آگے بڑھ کے ان کے ہاتھ سے سبزی اور دو سرے شہر لیے۔
”نو علیکم السلام۔“ ارما تو ہی اسے کچھ سیکھا۔ یہ کلام اگلے گھر میں کرے تو ناک کٹ جائے گی۔“ وہ چادر اتار کے رات دھونے لگیں۔ ارما اور عاطفہ روکتی روکتیں مگر انہیں اب پر ات اٹھا کے ہی قرار آتا تھا۔
اس کے بعد اس کی سوچیں منتشر رہیں۔

اگلے دن کلاس میں بھی اس کی سوچیں اسے اپنی قید میں کر کے مسکراتی رہیں۔
”مس جی آپ کو میڈم نے بلایا ہے۔“ چیر اسی نے آگے کہا تو وہ چیریں سمیٹ کے میڈم کے آگے اس میں آگئی۔

”میں میڈم۔“
”مس ارما کوئی صاحب نیچے کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہے ہیں ویٹنگ روم میں دسٹ کر رہے ہیں۔“
”لیں۔“ آنسوؤں نے اپنے کلام میں مصروف سر اٹھائے بنا کہا تو ویٹنگ روم میں آگئی۔

”جی فرمائیں۔“ کہہ کے اوپر دیکھا تو دل کی دھڑکن نے عجیب سر چھیڑ دیا۔

”جی دراصل میں فضا کے سلسلے میں ہی بات کرنے آیا ہوں۔“ وہ اسے ڈسٹرب کر کے خود عملی طور پر پرسکون تھا۔

”جی فضا کی طبیعت اب کیسی ہے۔“ ہرما سنبھلی۔
”کافی بہتر ہے مگر ویٹنگ روم میں اب بھی۔“
”اگے۔“ سید۔“ وہ اپنی کلاس کے ہراسٹوڈنٹ کے لیے دست جڈبائی تھی۔

”اب بات وہی ہے کہ اس کا کافی حرج ہو چکا ہے۔ اس ہفتے بھی اسے ریسٹ کرنا پڑے گا۔“
”اچھا۔“ اچھا ایسا کریں کہ میں آپ کو ورک شیٹ دے دیتی ہوں جب وہ بہتر ہو تھوڑا تھوڑا کر کے کروا دیجیے گا۔

”ٹھیک ہے آپ دے دیں شیٹ۔“
”میں ابھی آتی ہوں۔“ وہ چاہتی بھی تھی کہ کچھ

لئے اس کے سامنے سے ہٹ جائے کہ خود پہ قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”اف اللہ کیا میں اتنی کمزور ہوں۔“ کلاس میں آکے نشو سے ہاتھ پہ آیا پیسہ صاف کرتے ہوئے سوچا۔

دوسری طرف وہ اس کے انتظار میں ویننگ روم کا جائزہ لینے لگا۔ ایک کارنر میں بورڈ پر بچوں کی تصاویر لگی تھیں جس میں وہ ٹرافیاں وصول کر رہے تھے اور کہیں سرٹیفکیٹس لیتے مستقبل کے حسین خواب آنکھوں میں سجائے مسکرا رہے تھے۔

دوسری طرف کتابوں اور اسکول سے متعلق کاغذات ریکب میں رکھے تھے، فنل کارٹنڈ روم، خوبصورت فرنیچر اور ڈیکوریشن کے ساتھ اسکول کے معیار کا گواہ تھا۔

اسی دوران ایک اور شخص وہاں آن بیٹھا۔ شان سے سگریٹ کے کش لیتا وہ لڑکا یقیناً کسی امیر کا بیٹا تھا اس نے سن گلاسز اتار کے سینٹرل ٹیبل پر رکھے اور آئی فون کے جدید ماڈل پہ انگلیاں پھیرنے لگا۔ راڈو کی خوبصورت رسٹ وائچ پہ نظریں ڈال کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”آئی ایم سوری مجھے۔“ وہ تیزی سے اندر آکے اس سے پہلے کہ جملہ کھل کر تی اس اجنبی سے جا ٹکرائی مگر اس سے پہلے کہ گرتی اس نے جھٹکے سے اسے تھام لیا اور نشیلا نظریں اس کے وجود پر سر سے پاؤں تک ڈال کے شرارت سے بولا۔

”وائٹ آف کسپیڈنٹ۔“

”جی۔“ وہ گھبرا گئی اور جلدی سے خود کو سنبھالنا چاہا، خود ہی جلدی سے اٹھی اور دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹا۔

”ارے میم یہ تو حسن اتفاق تھا کہ آپ ہماری باہنوں میں آئیں مگر نہ ایسے نصیب کہاں ہیں کہ کوئی حسینہ کوئی ٹیلم پری نظر کرم کرے۔“ وہ بالکل ہی کھل گیا تھا۔

”یلمینس۔“ ارمانے سختی سے اسے ٹوکا۔

”بہرحال آپ سے ہی ملنے آیا ہوں۔“ اسے شاید زمانے کی کوئی پروا نہ تھی۔

”مجھ سے۔“

”جی چوکیدار نے بتایا ہے کہ آپ ہی میرے پرنس کی کلاس منتظر ہیں۔ میری خوش قسمتی۔“ ابرا کا ہنس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے منہ پہ پھینڈے مارتی۔

طارق سے یہ بے حیائی ناقابل برداشت تھی۔ اس کی ذہنی حالت بگڑنے لگی اس سے پہلے کہ ابرا اس کی طرف آتی وہاں سے نکل چکا تھا۔

”ارے آپ بات تو سنیں۔“ وہ پکارتی رہ گئی۔ مڑ کے غصے سے اس شخص کو دیکھا تو سینے پہ بازو باندھے مسکرائے جا رہا تھا جیسے ابھی تک اس پچویشن کے نشے میں ہو۔

ابرا کھولتے دماغ کے ساتھ کلاس میں آئی۔

”ابن ایک دم اس کی طرف چلا گیا۔“

”وہ آخر کیوں وہاں سے چلا گیا شاید اسے برا لگا تھا۔“

مگر اسے کیوں برا لگا۔ پرا تو تب لگتا ہے جب کوئی آپ کا اپنا ہو یا جس سے کوئی تعلق ہو رشتہ ہو۔ اس کا مجھ سے کیا رشتہ ہے۔“ سارے سوال دو دن تک اس کے اندر جنگ کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد وہ غصہ نہ آیا اور ابرا کی بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ وہ اسے دیکھنا چاہ رہی تھی۔ اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ وہ اس سے کیوں خفا ہو کے وہاں سے نکلا تھا۔

جیل کے بتانے پہ ازکی ایک دفعہ پر خوش ہو گئی بولیں۔

”دیکھیں جیل ڈاکٹر نے بھی کہہ دیا ہے کہ یہ کوئی ایسی بیماری نہیں ہے کہ انسان مایوس ہو جائے بلکہ حل بھی اس کا یہی ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے۔“

”ہاں ہاں یہی کہا ہے۔“ انہوں نے ازکی کے چہرے پہ خوشیوں کے رنگ دیکھ کے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آج آئے گا تو میں فائل بات کروں گی۔“ ازکی

نے مصمم ارادہ کیا اور واقعی انہوں نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا اور رات ہی وہیں اس کے پاس آ گئیں۔

”ارے واہ آئی۔ کیا سر براہ رہا ہے۔“ دروازے پہ خلاف توقع ازکی کو دیکھ کے وہ کھل اٹھا۔ شام کے بعد ان کی آمد کا مطلب صاف تھا کہ وہ رات رکیں گی۔

”کیسے ہو قاسم اور یہ گڑیا اب کیسی ہے۔“ قاسم کو پیار کرنے کے بعد فضا سے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں ماموں۔“

”آئی کھانا تیار ہے، میں روٹیاں لے آتا ہوں۔“ وہ جلدی سے اٹھا بائیک کی چابیاں لے کر۔

”کھانا کیا تیار ہے۔“

”آج آتے ہوئے میں چکن کڑا ہی لے آیا تھا۔ کل چھٹی کی وجہ سے زیادہ لے آیا تھا شاید وہ آپ کا نصیب تھا۔“ وہ مسکرا کے بولا اور جلدی سے نکل گیا۔

قاسم ہمیشہ کی طرح کمپیوٹر کو آن کر کے کارڈس کر رہا تھا۔ طارق نے اس کی خاطر کافی گیمز انسٹال کر رکھے تھے کہ جیل تو زیادہ کھیلنے کی اجازت دیتے نہیں تھے۔

فضا نے بی بی آن کر لیا تھا۔

خود ازکی خوش کن خیالات و تصورات میں کھو گئیں۔ اس گھر میں ان کی بھابھی ہوگی، جب ازکی آئیں گی تو اس کی طرف محبت سے بڑھے گی۔

طارق کو یوں روٹیوں کے لیے بھاگنا نہیں پڑے گا۔ گھر میں کبھی کبھی قلعاریاں کو بھیں گی۔

”پاک پروردگار میرے بھائی کا دل اور گھر آباد کر دے۔“ انہوں نے دعا مانگی۔

طارق لوٹا تو ہاتھ میں روٹیوں کی ڈبی کے علاوہ برگر اور کوئلڈ ڈرنک بھی تھے۔

”لگتا تکلف کیوں کرتے ہو۔“ ازکی نے چیزیں لے کے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”برگر تو ان بچوں کے لیے ہیں۔“

”طارق دیکھو اب تو ڈاکٹر نے بھی کہہ دیا ہے اب تو

تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے نا۔“ کھانے کے بعد ازکی آئی نے برتن دھوئے دو کپ چائے پلائی اور برقعہ جو جالیاں لگا کے بند کر رکھا تھا اور پھوٹے سے لی وی لاؤنج کی شکل دے دی گئی تھی عین لے آئیں۔ طارق فضا کے سونے کے بعد بی بی کے چہنلو بدل رہا تھا۔

”یہ لوگر گرم چائے۔“

”تھینک یو آئی بڑی طلب تھی۔“ وہ مشکور ہوا۔

”طارق آج خاص طور پہ میں تم سے بات کرنے کے لیے آئی ہوں۔“ ازکی آئی اپنے مطلب کی طرف آئیں۔

”میں جانتا ہوں آپ کے مقصد کو۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”تو پھر میں لڑکی دیکھوں۔“

”آئی کیا یہ معاملہ دب نہیں سکتا۔“

”کیا مطلب۔“

”آئی مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں بہتری کی امید نا کامی بن کے گلے کا ہار نہ بن جائے۔“ وہ گہری سنجیدگی چہرے پہ سجاتے بولا۔

”اللہ نہ کرے طارق سیانے کہتے ہیں کہ جب زندگی آپ کو پیچھے گرا دیتی ہے تو پیار کی طاقت ہمیشہ آپ کو بلندی کی طرف لے کے جاتی ہے۔ تم اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ وہ تلخ حقیقت ماضی کے ساتھ دفن ہو چکی ہے۔ دنیا سے اگر نفرت پیار کی طاقت کو ختم کر سکتی تو یہ دنیا کب کی فنا ہو چکی ہوتی۔ محبت آج بھی ہر رنگ میں زندہ ہے۔ اس کے مہکتے گلاب دنیا کو مرکا رہے ہیں اور تم دیکھنا نہیں سہ پناہ محبت ملے گی۔“

”اللہ شہداء اللہ۔“ ازکی نے کہا۔

”اسی محبت کی وجہ سے تو نفرت ہوئی ہے مجھے اس عورت سے اس کی محبت نے لوٹا ہے مجھے لیکن وہ عورت میری ماں تھی کچھ تو سوچتی۔ اس کی بے وفائی ہر چہرے پہ نظر آتی ہے۔“ اگر عورت اپنی اولاد سے بے وفائی کر سکتی ہے تو کسی سے بھی کر سکتی ہے آئی۔“ وہ

بھرپور توانا مردانہ سوؤں سے رونے لگا اور محبت کے رنگ بھر بکھرنے لگے۔ سوچیں پھر منتشر ہونے لگیں

رنگ بھر بکھرنے لگے۔ سوچیں پھر منتشر ہونے لگیں

ذہنی حالت بگڑنے لگی۔

”لیکن طارق میں بھی تو ایک عورت ہوں۔ قدم قدم پر با وفا جو عورتیں رشتوں کے تقدس کو بھاری ہیں وہ کیوں نہیں نظر آ رہیں نہیں۔“ ازکی نے سختی سے ہاتھ چپ کر لیا۔

”اس لیے آپ کی ماں کا محبت کا عیار سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ کے بعد اسی کی محبت معتبر ٹھہری ہے اس کی بے وفائی کی سیاہی سمندر کو بھی سیاہ کر دیتی ہے۔“ اس نے دل میں کہا۔

”لیکن طارق اس طرح تمہاری زندگی مارل ہو جائے گی اور ڈاکٹر کے نزدیک تو یہ بالکل عام رویے ہیں جو ہر دوسرے گھر میں مڑا لپٹاتے ہیں۔ تم نے انہیں ہوا بنا لیا ہے۔“

”نہیں آپ! میں خواہ مخواہ احتجاج کرتا ہوں، کبھی کبھی تو مجھے کوئی نہ ملے تو اس گھر میں اپنے آپ سے لڑنے لگتا ہوں، چیختا ہوں، شور مچاتا ہوں، مجھے نہ تو جذبات کے اظہار میں کسی ترتیب کا پتا ہے اور نہ ہی کوئی خواہشات ہیں میری۔ میں کہیں بھی اپنے خیالات میں یکسانیت نہیں پاتا، مجھے اپنی کینز کا نہیں پتا تو کسی دوسرے کی ذمہ داری بھلا کیسے بھالائیں گا۔ آپ میری محبت میں خود غرض ہو رہی ہیں مگر اس بد قسمت کا بھی تو سوچیں جس کو آپ قربانی کا بکرا بنانا چاہ رہی ہیں۔ کیا آپ اسے شادی سے پہلے میرے متعلق سب کچھ صاف صاف بتائیں گی۔“ بوابا، ازکی چپ رہی۔

”آپ بتائیں نا جواب دیں۔“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

”شاید نہیں۔“ وہ جھوٹ کے پردہ نہ ڈال سکیں۔ وہ جانتی تھیں کہ یوں کوئی بھی لڑکی راضی نہیں ہوگی۔ ”مگر یہ کوئی مسئلہ نہیں تو پھر یہ کیوں۔“ وہ تسخیرانہ انداز میں ہنسا۔

ازکی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر ازکی کے چہرے پر چھائی حسرت مایوسی دیکھ کے وہ فوراً ”اٹھ کے ان کے پاس آیا۔“

”آپ! تمہارا سا نام دے دیں۔ مجھے خود سے لڑنے دیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں خود کو فتح کر لوں اور کسی دن آپ سے کہوں کہ میں نے ایک لڑکی پسند کر لی ہے جاگے اسے اپنی بھابی بنالیں۔“ ازکی کا دل بھلانے کی خاطر اس نے لہجے میں بشارت پیدا کرنے کی کوشش کی تو وہ افسردگی سے دس برس۔

”اور اگر اس کے بعد بھی تم نہ مانے تو۔“ خدشے زبان سے ادا ہوئے۔

”تو پھر یقین کریں کہ طارق اپنی نگاہیں آپ کے حوالے کرے گا یہ میرا وعدہ ہے۔“ وہ مسکرایا تو ازکی کو یہ بھی اپنی بڑی کامیابی لگی۔



کتنے دن ہو گئے دیکھا نہیں اس کو لگتا ہے ایسے جیسے کھو دیا خود کو یہ محبت سے یا کیا سمجھ نہیں پائی آجائے اگر ملنے تو یہ پوچھوں گی اس کو ”ارے۔“ وہ اتنی محو تھی کتاب پڑھنے میں کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا تھا، اماں کی تلافی سر اٹھایا تو گھنٹا کی سوئیاں جیسے کسی نے جالی سے آگے والے ہندسوں پر ٹھکادی تھیں۔

”وہ اتنا نام گزر گیا۔“

”جی اماں آپ!۔“ ارمانے جلدی سے کتاب بیڈ کے ساتھ رکھی پھوٹی سی ٹیبل پر رکھی۔

”جی اماں۔ السلام علیکم خالہ جان۔“ اماں سے بات شروع کی ہی تھی کہ اندر آتی خالہ پر نظریں جا پڑیں۔ جو اس کی امی کی دوسرے کی رشتہ دار تھیں۔

”و علیکم السلام جیتی رہو۔ اللہ تیرا نصیب نیک جگہ کھولے۔“ انہوں نے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیتے ہوئے ڈھیروں دعا میں دے ڈالیں۔

”ارے صافہ کتنے دنوں بعد شکل دکھائی۔“ اماں بمشکل چارپائی سے اٹھ کے گلے ملیں۔

”یہی ہو تم۔“ انہوں نے اماں سے پوچھا تو اماں افسردگی سے مسکرائیں۔

”اس میں کیا ہوتا ہے اور میرا ہونا ہے۔ کم بخت کھٹنے کا درد تو جان کو آگیا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے کو مجبور کر دیا ہے۔ ان لڑکیوں سے اللہ خیریت سے فارغ کر دے تو اگلے جہاں کی تیاری کروں۔ باب نے تو بے غم آنکھیں موند لیں۔“ اماں کو جب بھی کوئی تکلیف زیادہ ہوتی وہ یوں ہی مایوس ہو جاتی تھیں۔

”اللہ نہ کرے خواہ مخواہ منہ سے بد فال نکال رہی ہو۔ یہ تو جسم کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔“ خالہ نے حوصلہ دیا تو اندر پر آمد سے میں ٹپٹکی اپیلانے قہقہہ لگایا۔

”خالہ جانید اویں نہیں تو جسم تو ہے زکوٰۃ نکالنے کے لیے۔ کاش اللہ ہم غریبوں کو زکوٰۃ سے دور رکھتا۔ بلکہ آسمان سے ہماری مدد کرے۔“

”تو تو چکی میٹھی رہ خواہ مخواہ بولتی رہتی ہے۔“ اماں نے بے غی بات سے ڈانٹا۔

”چل اٹھ خالہ کے لیے اچھی سی چائے بنا اور دیکھ گلی میں کسی بچے کو بھیج کوئے والے افسر سے گرم گرم جلیبی لے آئے۔“

”ارے اماں کمال کرتی ہیں خالہ کو شوگر ہے۔“ ارمانے بھی شرارتا کہا۔

”ارے کو۔ اب ہر وقت ہر چیز کا پرہیز کرنا تو وقت پہ ہی ہے۔ نہ پہلے نہ بعد۔ تو ایسا کر چائے میں چینی نہ ڈالنا۔“ خالہ جلیبیوں سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھیں۔

ارمانے مسکراتی ہوئی پگن میں چلی آئی۔ خالہ اور اماں عاقلہ بیچی کے سسرال شادی سے شروع ہوئیں اور خاندان کے ہر مسئلے پر باتیں کرنے لگیں۔

چائے بناتے ہوئے ارمانے سبزی بھی کٹ لی کہ ساتھ ساتھ پک جائے۔ حالانکہ دن کا کھانا اپیلانے پکانا ہوتا تھا، مگر ارمانہ جب بھی گھر پہنچتی تھی اکثر اپیلانے کا کام خاموشی سے کر دیتی تھی۔

”ارے صد انوش رہ اللہ تجھے پیارا سا میاں دے۔ دو تین گول منوں سے بچوں کی نماز جانی ہے۔“ اپیلانے ہمیشہ والی دعا میں دیں۔ اور وہ مسکرا کے سننے لگی۔

راج اپیلانی دعا میں ایک دو لہائی مددگار کی تصویر کو تصور کی دنیا میں دکھانے لگی تھیں۔ وہ ہوا گھر کرنا چاہ رہی تھی مگر اس شخص کی تصویر جتنا نہ سکی نہ دلچ سے اور نہ دل سے۔

وہ اس اجنبی کی سوچوں سے بچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ رات کے نچلنے کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو کلا سوکھ رہا تھا۔ شام کو عاقلہ بیچی نے زبردستی ہی اس کریم کھلا دی تھی۔ اٹھ کے پگن میں آئی اور پانی میں نمک ڈال کر غرارے کرتے گئی۔

”گلیا ہوا ہے تجھے۔“ اماں کچھ دیر بعد آنکھیں مسلتی باہر آگئیں۔

”میں ہی گلے میں درد ہو رہا ہے۔ آپ سو جائیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ ارمانے کہتے ہوئے چھوٹی سی لکڑی کی چوکی کو کھینچ کے پاس کیا اور منہ آسمان کی طرف کر کے غرارے کرنے لگی۔

”موسم بدل رہا ہے اور تم لوگ سختی ہو نہیں سکتی۔ کیا ضرورت تھی آٹس کریم کھانے کی۔“

”اماں ٹھیک ہوں آپ جا کے سو جائیں۔“ وہ کچھ دیر رکیب کے بولی۔

”تجھے تکلیف ہو اور میں سو جاؤں۔ ماں ہوں تیری۔“ وہ دوسرے سے بولیں۔

”اماں میں جانتی ہوں کہ اگر آپ سوتی بھی ہوں تو خوابوں میں بھی ہمارے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔“

”کیا کروں بیٹا۔ ہر وقت تم چاروں کی فکر سناقتی ہے۔ ابھی تو تم چاروں ہی راستے میں ہو۔“

”اللہ مالک ہے اماں۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی ان کے حوصلے سے بڑی آزمائش میں نہیں ڈالتا۔ آپ فکر نہ کریں۔“ وہ بہت حوصلہ والی لڑکی تھی اس کے اندر ایک گمنام جذبہ تھا۔ وہ ہارنے کو زندگی کی شکست تصور کرتی تھی سوچنا چاہتی تھی۔

”اللہ کا شکر ہے تیری ممانی کو خیال آگیا ہے کہہ رہی تھی کہ دو ماہ کے اندر کی تاریخ دیں۔“

”یہ تو اچھی بات ہے اماں۔“

”وہ ریشم والی چادر بھی بس مکمل ہونے ہی والی ہے۔“

وہ دعا کرو اچھی قیمت پہ نکل جائے تو فریجیر کی رقم کا بندوبست جائے۔ باقی برتن، کپڑا جو اس کا نصیب تھا ساتھ ساتھ کرتی رہی ہوں۔" وہ سمجھدار ماؤں میں سے تھیں۔ بیٹیوں کی ماں تھیں اس لیے حالات نے بہت کچھ سکھایا تھا۔

"اماں بینک میں نوٹس پچھتر ہزار ہیں اور کمپنی تقریباً تیس ہزار سے ہو جائے گا ان شاء اللہ۔" وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو سوچو کہ اگر دو چار ماہ بعد فاطمہ کی شادی کا مسئلہ ہو چلا تو پھر کیا ہو گا۔

"اماں اللہ مالک ہے جس کا جو نصیب ہو گا وہی تو پائے گا۔" وہ گلاس باورچی خانے میں رکھنے کے بعد باہر آئے بولی۔

"میں نہیں اماں۔" وہ دروازہ بند کر کے ماں کی طرف ہاتھ برہا کے بولی تاکہ انہیں سارا دے کے اٹھنے میں مدد دے سکے۔

وہ تو اپنی ماں کا بیٹا بننا چاہتی تھی۔ اسی لیے اپنی راہ چل رہی تھی تو پھر ماں اور بیٹی کے درمیان یہ کون آیا۔ کیا ماں کا سہارا بننے کے لیے مجھے اپنی ذات کو بھولنا پڑے گا۔ اپنے دل اپنے جذلوں کو آٹھیں بند کر کے قربان کر دینا پڑے گا۔ ہاں جب مجھے اپنے وجود کی حقیقت کو ماننا ہے مجھے یہ تسلیم ہے کہ میں اپنی ماں کا سہارا ہوں تو پھر کی سچ ہے کہ میں اس بات کو جان لوں کہ مجھے تمہارے بارے میں نہیں سوچنا۔ مجھے ان سوچوں کو چھوڑنا پڑے گا جو دریا کی لہروں کی طرح صرف تمہاری سمت بہہ رہی ہیں۔

مجھے ان لہروں پہ بند باندھنا ہے۔ مجھے خود سے جنگ کرنی ہے میں نے کیا ہر لڑکی کی طرح خود کو صرف ایک مرد تک محدود کر لیا ہے۔ کیا زندگی کا مقصد صرف یہی ہے۔ نہیں میں اپنی ماں کو تنہا نہیں چھوڑناؤں گی۔ میں کسی کو اپنی سوچوں سے جدا تو نہیں کر سکتی کہ میں بھی ایک لڑکی ہوں میرے اندر بھی ایک دل ہے دل میں جذبے ہیں اور یہ کسی کے نام بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں مگر مجھے سب کچھ ماں کے لیے چھوڑنا پڑے گا۔

وہ بار بار خود کو سمجھاتی۔

"تج چھٹی کر لے ارا۔ حیرتی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ایلا نے اس کے کپ میں چائے اندھلتے ہوئے اس کی بڑی آنکھوں میں ہنسن دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بابا وہ جو ہماری پرنسپل میڈم ہے یا میرا گلا دبا دے گی۔ یہ لوگ برسوں کی ریاضت کو ایک غلطی یا بغیر غلطی کے بھی عام سی بات پہ بھلا دیتے ہیں۔ کل انہوں نے مسز جعفر کو نکال دیا حالانکہ وہ اس اسکول کی بانی ٹیچر میں سے تھیں۔ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو ان کی نوکری ختم ہونے کے لیے نہیں بلکہ اپنی بے قدری پہ بہہ رہے تھے۔"

وہ بات کرتے کرتے ادا اس ہو گئی۔

"یہی دنیا کا دستور ہے پیاری یہاں قدر کس نے پائی ہے۔"

"تم سے باتوں میں بیٹھی تو دین چھوٹ جائے گی چلتی ہوں۔" وہ خالی کپ رکھتے ہوئے بولی۔

بچوں کی اینڈس لے کے رجسٹر چیر اسی کے حوالے کیا جو کلاس روم کے دروازے پہ کھڑا تھا۔

"میں صاحبہ رجسٹر آفس میں میڈم کے ساتھ ہوں۔" اس نے ارا کے فارغ ہونے پہ بدعنوان کیا۔

"یہ لو اسلم بھائی مگر چھٹی سے پہلے واپس لے آنا کہ میں نے ایڈیٹ کرنا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"لے آؤں گا مس صاحبہ۔"

"جی بچوں۔۔۔ بسم اللہ پڑھیں۔" وہ دوش سر پہ لپیٹے ہوئے بولی اور ساتھ ہی خود وائٹ بورڈ پہ جاگ سے ڈے ڈھٹ لکھنے لگی۔ یوں ہی سارا دن مصروفیت میں گزر جاتا تھا۔

"میڈم میری کاپی چیک کر لیں۔" فضا کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے نکال لائی۔

"ارے فضا کیسی ہو بیٹا اب تم۔"

"ٹھیک ہوں میم۔" باریک سی آواز میں جواب دیا۔

"بیٹا آپ کی ماما اسکول آسکتی ہیں۔"

"میں میم۔"

"اوکے میں ڈائری میں لکھ دوں گی۔" کافی دنوں کی غیر حاضری سے اس کے کاپی ورک میں گپ آگیا تھا۔

اس لیے ان سے ملنا ضروری تھا۔

"میم میں سارا کام کر لوں گی۔" اس دھان پان سی بچی کے حوصلے بلند تھے۔

"گڈ اسپرٹ۔" ارا مسکراتی۔

"ویلڈن۔" کاپی چیک کرنے پہ ارا نے ہمیشہ کی طرح اسے اچھے ریمارکس لکھے۔

"ٹھیک یو میم۔" وہ کاپی لے کے جانے لگی تو ارا بے ساختہ اسے پکار بیٹھی۔

"فضا۔"

"میں میم۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپ کے کتنے سن بھائی ہیں۔" یوں ہی پوچھ لیا۔

"میں اور میرا ایک بھائی قاسم ہے اور بس۔"

"آپ کے گھر میں اور بھی کوئی رہتا ہے۔"

"ماما اور بابا بھی ہوتے ہیں۔" معصومیت سے جواب آیا۔

"اچھا اور۔"

"اور تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔" وہ نفاست سے بندھے بالوں کو اوڑھنا دھڑلاتے ہوئے بولی۔

"اور وہ جو آپ کے چاچو آتے ہیں اسکول۔" زبان میں لڑکھڑاہٹ سی ہونے لگی۔

"ارے وہ تو میرے ماموں ہیں۔ وہ تو اپنے گھر میں رہتے ہیں اتنے بہادر ہیں کہ اکیلے رہتے ہیں مگر ڈرتے نہیں ہیں۔ پیانے کما ہمارے ساتھ رہتے ہیں مگر ملتے ہی نہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔ چلیں گو نو یور سیٹ۔" تھنٹی کی آواز پہ اٹھتے ہوئے کہا کہ آخری پیریڈ میوزک کا تھا اور بچوں کو اس میں ذرا سا بھی وقت ضائع ہونا منظور نہ ہوتا تھا۔ میوزک کلاس کو وہ خوب انجوائے کرتے تھے۔

"اوکے لائن اپ بچو اور گو نو یور میوزک روم۔" وہ ٹیبل سے مار کر زبکس اور باقی چیزیں اٹھا کے الماری میں

رکھتے ہوئے بولی۔

"آیا۔۔۔ آیا۔"

"جی مس صاحبہ۔" درمیانی سی عمر کی آیا بیل میں حاضر ہوئی۔

"جائیں آیا آفس سے رجسٹر لے آئیں اور ڈائری رجسٹری کی میم فائزہ کو یہ کاپیاں چیکنگ کے لیے دے دیں۔"

"میڈم۔" فضا کی آواز پہ وہ چلتے چلتے پلٹی تو سائے وہی کھڑا تھا جسے بھولنے کا وہ عہد کر چکی تھی۔

"میم یہ میرے ماموں ہیں نا جن کا آپ صبح پوچھ رہی تھیں۔" فضا نے تعارف کروا کے اس کا حوصلہ پتھر کی چٹان پہ دے مارا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

"آپ پوچھ رہی تھیں میرا۔" طارق نے حیرانی سے اپنی طرف اشارہ کر کے ارا کو دیکھا جو اپنے چہرے کی سرخی کو چھپانہ پار ہی تھی۔

"کیوں۔۔۔ خیریت تھی۔" اس نے سوال کیا تو وہ فوراً سنبھلی۔

"جی ایک کچھول۔" وہ دراصل کافی دنوں کے بعد فضا اسکول آئی ہے نا تو۔" زبان لڑکھڑائی چہرے پہ

بیچے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے جنہیں وہ دفعہ وہ نشوونما صاف کر چکی تھی۔

"تو پھر۔" وہ بھرپور سنجیدگی سے اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔

"اس کے کلاس ورک کے سلسلے میں بات کرنی تھی۔" اب کے ارا نے خود کو سنبھالا۔ خود پہ اندر ہی اندر غصہ بھی تھا کہ کیا اس کا آفس پہ اتنا ہی قابو ہے۔

"جی فرامیں۔" برف سے بھی زیادہ سرد رویہ اور لہجہ تھا۔

"میں۔۔۔ وہ دراصل۔" ابھی وہ بات کرنے ہی لگی تھی کہ میڈم کی تھرائن سر پہ آن پہنچیں۔

"مس آپ کا رابلم ہے کیا آخر۔ میں تو ابھی تک سمجھ نہیں پایا۔" طارق کو اس پر بے پناہ غصہ آگیا۔ وہ

بنا کسی لحاظ کے بولا۔

"کوئی ایک جملہ ہے ایسا جو آپ نے مکمل بولا ہو۔"

177

176

کیا یہی اسٹینڈرڈ ہے آپ کے اسٹول کا۔ بات کرتے کرتے وہ میڈم کی طرف جا مڑا اور اس کی حالت جو خرابی طبیعت کی وجہ سے ویسے بھی ڈانواؤں جی بالکل ہی لڑھک گئی۔

”کیا یہ ایلم ہے ارا۔ آریو آل رائٹ۔“ میڈم نے حیرت سے اپنی بوند اور کلافڈنٹ پیر کو دیکھا جو ہر بات اس اعتماد و اطمینان کے ساتھ کرتی تھی کہ اگلے بندے کو مات دے دیتی تھی۔

”ایک چھوٹی میڈم میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے دو تین دنوں سے پیچھے ہے۔“ وہ بے چینی سے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے بے شک جواب دے پائی۔

”لو کے گو ٹو یور کلاس۔ میں بات کر کے آتی ہوں۔“ میڈم نے اسے کہا تو وہ یوں گلاس کی طرف بھاگی جیسے اگر ایک بل بھی مزید کی تو گر پڑے گی۔

کچھ دیر بعد میڈم اس کی طرف آئیں اور اسے ایک دن ریسٹ کرنے کا کہا۔

”تھینک یو میڈم۔“ اس کی جان میں جان آئی اس قدر ہی کہ ”وگرنہ تو ایسا لگ رہا تھا کہ میڈم اس شخص کے سامنے رکھنے والے رویے پہ ٹھیک ٹھاک گلاس میں گی۔“



”کن ساری عورتوں کو بس یہی براہم ہوتی ہے۔ مرو دیکھا اور پھسل گئیں۔ یہ تو گھر سے نکلتی ہی اسی مقصد کے لیے ہیں۔“ وہ چائے کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے سوچنے لگا۔

”وہ ایسی ہی ہے اس دن بھی اس کینے سے جا نکرائی تھی۔ نجانے یہ لڑکیاں گھر کی حدوں سے نکل کے اپنی حد میں کیوں بھول جاتی ہیں۔ یہ بھلا بچوں کو کیا سکھاتی ہوں گی۔ جی چاہتا ہے کن ساری عورتوں کو سولی پہ لٹکا دوں۔“ کبھی کبھی اس کا غصہ عروج پہ پہنچ جاتا تھا۔ اسے خوب ضبط نہیں رہتا تھا۔

”اگر باہر آنا ہی ہے تو خود کو اتنا مضبوط کرنا چاہیے کہ مردوں کو یوں دیکھیں کہ کوئی ٹیڑھی بات نہ

کر سکے۔ مگر مجھے اس سے کیا کہ وہ کیسے رہتی ہے۔ میں بھلا ایک اجنبی کے لیے کس لیے کڑھ رہا ہوں، جنم میں جائے۔“ وہ سر جھٹک کے لی وہی پہ چلنے والے ٹاک شو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آفس میں کچھ ٹائم میں وہ سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تھا ہوتا تھا۔ زیادہ تر چپ سی رہتا تھا۔

ہدائی صاحب اکثر اس سے ہنس مذاق کرتے رہتے تھے اور اکثر ہنس کے رسالے دے دیتا وہ آپنی کے علاوہ کسی سے کم ہی گفتگو کرتا تھا۔ اور کبھی جو خلاف فطرت بول ہی جاتا تو اکثر تندی پہ انجام ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے اپنی پہلی جانب سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ اس کے بعد اس نے خود کو قید کر لیا۔

اس دوران ایک اور عجیب بات ہوئی وہ بے حیائی میں نہ چاہتے ہوئے بھی کئی بار اس کے بارے میں سوچتے ہوئے چوٹا۔ کیا ممکن تھا کہ طارق نے کسی لڑکی کو سوچا ہو مگر اس بات کی گواہی اس کے اندر سے ملی تھی۔

”محبت تو ہو ہی جاتی ہے طارق۔ محبت کو سنبھالنا اور اس کا بھرم رکھنا بھلا کب ہر کسی کو آتا ہے۔ مگر میں اسے محبت نہیں کہتا۔ میں بھلا اس لڑکی کو کیسے سوچ سکتا ہوں جس کے گرد اپنے ہی مجھے اعتبار نہیں۔ محبت یوں بھی بھلا کبھی ہوتی ہے۔“ اس نے سر جھٹکا اور فیوٹی کو آف کیا اور اپنے کمرے میں آگیا مگر پھر عجیب بات ہوئی۔

آپنی نے اس سے ریکورڈ کی کہ ”کچھ دنوں سے فضا کی نیچے ڈائری میں مدد کو کل کر رہی ہے مگر ہو سکے تو تم چلے جاؤ۔ اور کافی میں دو جگہ غلط چیکنگ ہے وہ بھی بتاؤ نا۔“

غصہ تو آیا مگر مجبوراً ہائی بھری۔ مگر اگلے دن پتا چلا کہ محترمہ اسکول سے غیر حاضر ہیں، تشریف ہی نہیں لائیں۔

بہر حال اگلے دن پھر گیا تو اسے نہ پاپا کے غصہ ساتویں آسمان پہ جا پہنچا۔

”ٹوٹ کا مال سمجھ کے پیٹ اور بینک بھر رہے

ہیں۔“ وہ کھوتا ہوا میڈم کے آفس جا پہنچا۔ ”اگر نیچر ذاتی چھٹیاں کریں گی تو نیچے کی پروگریس کیا خاک ہوگی۔“ طارق نے تندی سے کہا۔

”میکھیے مسٹر ہماری نیچر ذاتی ریسپانسبل ہیں وہ اپنی ڈیوٹی کو ایمانداری سے نبھاتی ہیں۔“

”جی بالکل۔۔۔ یہ دیکھیے۔ یہ چیکنگ کی غلطیاں دیکھیے یہ معیار ہے نا۔“ وہ کاپیوں سے تین چار غلطیاں جو رائٹ کی گئی تھیں ان کے سامنے کر کے بولا۔

انہوں نے کاپی اپنے سامنے کی اور قریب کی نظری چیکنگ لگا کے دیکھنے لگیں۔

”اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو اپنی بیٹی کو کہیں اور لے جاسکتے ہیں مسٹر طارق بائی کبھی کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے پھر بھی آپ کی یہ شکایت جائز ہے اور اس کے لیے نیچر سے بات بھی ہوگی۔“ میڈم نے کہا تو وہ چپ کر گیا۔ وہ تو چلا آیا مگر میڈم نے فون کر کے ارا کو اسکول کال کر لیا۔

”تیس میڈم۔“ اس کے دل کی دھڑکن قابو میں نہ تھی۔

”آپ کے ساتھ براہم کیا ہے۔“ کن کے لیے سے شعلے برستے۔

”جی جی۔۔۔ مگر میڈم میں نے اہلیہ کشتی دی تھی دو دن کی۔“ اس کی آواز حلق ہی میں پھنس گئی۔

”مس ارا ایک بات کن کھول کے سن لیں“ آئندہ

اگر آپ نے ایک بھی چھٹی کی تو آپ کی دودن کی میٹری گئے گی۔ اور کافی کی چیکنگ میں دو غلطیاں ہیں کن پر بھی آپ کا بوس مانٹس ہو گا۔ یہ دیکھیں کاپیاں ہمارے اسکول کا ایک اسٹینڈرڈ ہے۔“ وہ کاپیاں اس کی طرف پھینکتے ہوئے بولیں۔

ارا کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

”اپنی گلاس میں جائیں اور تمام کاپیوں کی ری چیکنگ کریں میں کل آپ کی گلاس کے ہر بچے کی کاپی خود چیک کروں گی اور اپنی ری چیکر کو میری طرف بھیجیں۔“

”سوری میڈم۔“ بے شک بولی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کا سگنل دیا جیسے مزید کوئی بات نہیں۔

بے عزتی اور شرمندگی کے شدید احساس کو وہ کسی سے نہ چھپا پالی اور روئی ہوئی گلاس روم کی طرف دوڑ لگی۔

طارق آج اگر اس کے راستے میں ہوتا تو یقیناً ”وہ اسے قتل کر دیتی کہ آج اس دھان پان سی لڑکی کے اندر آگ جل رہی تھی۔“

”اے پلیر کول ڈاؤن یار ہو جاتا ہے ایسے۔“ اس کی اہلیہ روینہ نے اسے سنبھالنا چاہا مگر اس کے ساتھ بھلا یوں کب ہوا تھا کہ اس کو اس کی اہلیت اس کی ذہانت پہ یوں بے عزت کیا گیا ہو۔

”مجھے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا میم روینہ۔ میں نے بھلا کبھی سوچا تھا کہ میرے کام پہ میرے ساتھ ایسا ہو گا۔“ وہ نشو سے منہ صاف کر کے بولی۔

”یہ سب اس ذلیل شخص کی وجہ سے ہوا ہے۔“

مس روینہ نے طارق کو قصور وار ٹھہرایا۔

”ہاں ہو تو اسی کی وجہ سے ہے۔ میں نے بھلا کب ایسی لاپرواہیاں کی تھیں۔ اگر یہ چاہ میری مجبوری نہ ہوتی تو یقیناً ابھی تک ریزائن لکھ چکی ہوتی۔ ہم غریبوں کے پاس سر اٹھانے کے لیے بھلا گنجائش ہوتی ہی کہاں ہے۔ ہمیں تو اپنی عزت نفس کا سوا کچھ اپنی مجبوری کے بدلے میں کرنا پڑتا ہے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے دس بار پیچھے مزے دیکھنا پڑتا ہے۔“ وہ آج کل بالکل ہی ڈھے گئی تھی۔

نجانے دکھ کس بات کا تھا۔ بلکہ کس کس بات کا دکھ کرتی، اپنی چار سالوں کی بی بی عزت کو یوں ذلیل ہوتے دیکھنے کا یا اس شخص کے رویے کا جسے ارا کے دل کے اندر اگر اپنے مقام کا احساس ہوتا تو یقیناً ”اسے کبھی یوں رسوا نہ کرتا۔“

گھر میں اماں بیمار تھیں اور انہی کی وجہ سے وہ اسکول نہ آ پائی تھی کہ آج صبح ہی میڈم نے فون کر کے بلوایا اور یوں بے عزت کر ڈالا۔

وہ بے دلی سے کام میں لگ کر چلی گئی تھی۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ ارا نے کترا کے گزرتا چاہا مگر وہ اس کے سامنے آگیا۔

”مس ارا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

شرمندگی کا شائبہ تک نہ تھا چہرے پر۔

”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ رکھائی سے بولی۔

”کیا مطلب۔ میں فضا کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہا ہوں کوئی روئینٹک ڈانٹ لا گزولنے نہیں آیا۔“

اس کی آواز غصے سے اونچی ہو گئی۔

”مگر فضا کے سلسلے میں بات کرنی ہے تو جا کے میڈم سے بات کریں جیسے پہلے کی تھی اور روئینٹک ڈانٹ لا گزولنے آئے ہیں تو زبان بند ہی رکھیے گا کہ یہاں خواجہ خواہ تماشا لگے گا۔“ وہ کہہ کے کھٹ کھٹ کرتی اسٹاف روم کی طرف بڑھ گئی۔

”کیا کو اس ہے یہ۔“ وہ غصے سے نچلے ہونٹ کاٹنے لگا۔



”لما آج ہماری میم بہت رو رہی تھیں کلاس میں۔“ فضا بیگ سے ڈائری نکالتے ہوئے افسردگی سے ماں کو بتانے لگی۔ اسے اپنی میم بہت اچھی لگتی تھیں۔

”چھا کیوں بیٹا۔“ ازکی نے پوچھا کہ وہ ارا سے ایک دو دفعہ مل چکی تھی وہ کافی باہمت لڑکی تھی۔

”پتا نہیں میم روئینٹ کو بتا رہی تھیں کہ میڈم نے انہیں کافی ڈانٹا ہے کہ انہوں نے کاپیاں غلط چیک کی ہیں۔“ اس نے ہنسنا بتا دیا۔

”اچھا۔ حالانکہ وہ تو کافی اچھی بچہ ہے۔“ جواباً

فضا دھیرے دھیرے سر ہلانے لگی۔

”چلو تم ہو موروک نکالو۔“

ازکی نے ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اور کام میں لگ گئیں۔ قاسم کو بھی چار دفعہ آواز دے کے ایک لائے کا کہہ چکی تھیں۔

اتنے میں جمیل بھی آفس سے آگئے۔ ازکی دن کی

روڈ اوڑھنے کے بعد چائے پیئے چلی گئیں اور جمیل صبح کرنے بیدار ہو چلے گئے۔ رات کے لیے کھانا ازکی صبح ہی بنا لیتی تھیں کہ بچوں کے اسکول جانے کے بعد وہ اپنے وقت کو یوں ہی کام میں لاتی تھیں۔

چائے کا کپ جمیل کو تھماتے ہوئے ازکی نے ریموٹ ان کے ہاتھ میں تھمایا کہ ان کی عادت تھی کہ سب سے پہلے ٹی وی آن کرتے تھے۔ شروع شروع میں ازکی ان کی اس عادت سے جڑتی تھیں مگر پھر وقت کے ساتھ اس چیز کو تسلیم کر لیا کہ چھٹی نہیں ہے کافر منہ کو لگی ہوئی۔

”تھینک یو۔“ جمیل کم گو تھے مگر واحد ہستی ازکی کی تھی کہ جہاں بے دریغ بولتے تھے۔ گویا ساری پیاس بجھ جاتی تھی۔

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دستک ہوئی ازکی دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے انھیں اور دروازہ کھولتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

”السلام علیکم آلی۔“ طارق نے سلام کیا تو جواب دینے کے بعد وہ ایک طرف ہوئیں کہ اسے راستہ دیا۔

فضا اور قاسم کو بھی کمرے میں اس کے آنے کی اطلاع ہوا۔ ان کی بچادی کہ دونوں بھاگتے چلے آئے۔

”السلام علیکم ماموں۔“ دونوں اس سے لیٹ گئے۔

”و علیکم السلام۔“ وہ دونوں کو باری باری پیار کرتے ہوئے بولا اور پھر آکے جمیل سے ہاتھ ملایا۔

”کیسے ہو جوان۔“

”ٹھیک ہوں بھائی جان“ آپ کب آئے آفس سے۔“

”بس تھوڑی دیر ہوئی ہے۔“

”طارق میں ابھی تمہیں ہی کال کرنے والی تھی“ جمیل بتا رہے تھے کہ کل ڈاکٹری طرف جانا ہے۔“

ازکی نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”بھائی میرا دل اب ڈاکٹری طرف جانے کا نہیں چاہتا۔“

”مگر ضروری ہے طارق۔“ دیکھو تم اب کتنے اچھے ہوتے جا رہے ہو۔“ ازکی آپنی اس کے ارا کو بے جاٹے

کے بعد جھٹ بوئیں۔

”ہیں تو پہلے برا تھا کیا۔“ اس نے مذاقاً کہا تو ازکی اور جمیل مسکرا دیے۔

”برے نہیں بلکہ بہت برے ہو۔ جو اپنی بہن کو پریشان کر رہے ہو آج بھی اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھو جو صرف تمہاری وجہ سے ہیں۔ کیوں تنگ کر رہے ہو اسے۔“ جمیل احمد نے آج اس کی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا سوچ لیا تھا۔

”میں نے بھائی جان کہا ہے کہ صرف کچھ وقت۔“ وہ گڑبڑا گیا۔

”طارق یہ صرف بہانہ ہے تم خود سے لڑائی تب کر سکو گے جب تمہیں کسی کا سہارا ملے گا۔ تم جب عملی زندگی میں قدم رکھو گے تو تب تمہیں خود سے لڑنے کی رشتوں کے تقدس کو برقرار رکھنا ہو گا۔“ جمیل احمد نے اسے سمجھایا۔ وہ چپ ہو گیا۔

”ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں طارق۔“

”ٹھیک ہے بھائی جان“ اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ میں یہ جو اکیلوں تو جیسے آپ کی مرضی مجھے منظور ہے۔“ اس نے ہار مان لی کہ وہ ازکی کو دیکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”ارے بچ۔“ ازکی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

”بھئی آج کے دن تو فضا بہت اداس تھی کہ اس کی میم کو میڈم سے ڈانٹ پڑی ہے۔“ ازکی کو اچانک خیال آیا تو فضا کو دیکھ کے کہا۔

”کیوں۔“ وہ تو کافی اچھی بچہ ہے۔“ جمیل احمد نے حیرانی سے کہا۔

”کہہ رہی تھی کہ کالڈ چیکنگ۔“ کسی نے شکایت کی ہے۔ ویسے تو واقعی وہ کافی اچھی بچہ ہے مگر اب کے بار فضا کی کالی میں بھی ایک صفحہ پہ غلط چیکنگ تھی۔“

ازکی نے بتایا تو طارق کے کان کھڑے ہوئے۔

”میں نے آج مسز قاتی کی بیٹی سے فون کر کے پوچھا تھا تو وہ بتا رہی تھی کہ وہ بے چاری سارا دن آج روٹی رہی۔ میڈم نے کافی ڈانٹا ہے۔ اب کیا کیا یہ تو ارا اور اس کی میڈم کو ہی پتا ہو گا مگر بتا رہی تھی کہ وہ کافی

غریب گھر کی لڑکی ہے باپ مر چکا ہے اور چار بہنیں ہی ہیں جو گھر چلا رہی ہیں۔“ ازکی نے تمام تفصیلات بتا دیں۔

طارق کے دل میں ہلکا سا شرمندگی کا احساس جاگا۔ وہ جانتا تھا کہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ کافی غصے میں آفس میں بولا تھا۔

”کافی غریب ہے۔ اس کی وجہ سے گھر چل رہا ہے۔“ وہ کبھی بھی کسی کو اس طرح تکلیف دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ جب کبھی اسے کسی پر غصہ آجاتا تو کچھ دیر بعد ہی شرمندگی ہوتی تھی۔ مگر وہ کیا کرنا کہ اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا تھا۔

جمیل احمد کے دل میں ارا کا خیال طارق کے لیے آیا مگر ابھی اسے خیالوں تک ہی رکھا۔ خیال کیا کہ بعد میں ازکی کو کہیں گے کہ اسے جا کے دیکھیں اور طارق کے حوالے سے ملیں کہ وہ مناسب ہے یا نہیں۔

طارق کے جانے کے بعد جمیل احمد نے جب ازکی سے بات کی تو وہ بے طرح خوش ہو گئیں۔

”ارے جمیل وہ تو بہت پیاری لڑکی ہے میں مسز بھائی کی بیٹی سے معلومات لوں گی۔“

جب ازکی نے مسز قاتی کی بیٹی سے اس کے حوالے سے بات کی تو اس نے بے انتہا تعریف کی۔ اس کی سمجھداری کو واقعی سراہا۔ اور بلی گھر کے حالات اور مجبوریاں بھی بتائیں اور اس کے حوصلے اور ہمت کی بھی تعریف کی۔

تمام گفتگو سے ازکی کو لگا کہ وہ واقعی طارق کے لیے مناسب رہے گی۔

جمیل احمد نے ازکی کو مشورہ دیا کہ طارق نے چونکہ اسے دیکھ رکھا ہے اس لیے اس سے بھی مشورہ کر لیں۔

”ارامی اب انھ بھی جا کب تک پڑی سوتی رہے گی۔“ ارا نے کمرے میں آکے لائٹ جلائی اور اسے بلایا۔ ارا نے جھٹ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو

ہتھیابوں سے رگڑا اور آنسو صاف کیے مگر وہ ماں کے مقابل بھی بھلا چھپ سکتی تھی۔

”کیا بات ہے تو روئی ہے۔“ ان کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

”مجھ نہیں اماں یوں ہی۔“ وہ نظریں چراگے بولی۔

”کرے میری طرف دیکھ اماں ماں ہوں میں تیری“

چھپ سکتی ہے تو مجھ سے۔“ انہوں نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

”اماں۔“ وہ ماں سے پلٹ کر رو پڑی۔

”کیا ہوا ہے تجھے میری جان ماں سے بول۔“

انہوں نے محبت سے کہا تو وہ چند لمحوں میں دیکھتی رہی اور پھر ٹانے کی خاطر بولی۔

”یوں ہی آپ سے لڑا کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔“

”بول کیا ہوا۔“ اماں نے پھر پوچھا۔

”اماں کل اور پرسوں جو دو چھپیاں ہوئی ہیں اس پر ایک بچے کے گھر والوں نے میڈم سے میری شکایت کی ہے۔“ انہوں نے کافی سختی سے بات کی اور ڈانٹا بھی۔ وہ چھپانہ سکی۔

”اماں میری بیٹی تو کوئی پھولوں کے جھولے جھولتی تو بڑی نہیں ہوئی۔ زمانے کی غلطیوں کا ہر قطرہ قطرہ وجود میں اتارا ہے تو نے پھر سخت بولنے پر اتنی دھکی ہو گئی۔“

”لیکن اماں میں نے کبھی بھی اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کی۔ ایک غلطی ہوئی اور نظروں میں آگئی۔“

یہاں میں نے کتنی پیچڑ کو دیکھا ہے کہ ان سے کیا کیا غلطیاں نہیں ہو جاتیں۔“ وہ رو بائی ہو گئی۔

”دیکھا جس کو غلطی اور گناہ کی سزا دنیا میں مل جائے وہ خوش قسمت ہوتا ہے کہ نوکری یا گھڑی اٹھائے اٹھے جمال پاک رب کے سامنے نہیں جاتا۔ دنیا میں مسہم لینا بہت بھتر ہے۔“

”اماں مسہم تو رہے ہیں کیا سب کچھ ہمیں ہی سہنا ہے۔ کچھ پانے کا غور کیا ہمارا حق نہیں ہے۔ صرف کھونا ہی کھونا ہے خوشی وقت زندگی عزت محبت سب ہمارے لیے نہیں ہیں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو

پڑی۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

”چل اٹھ آج تیری ماں نے بھی اتنا ہے۔ دیکھ کیا بات کرتی ہیں۔ شاید عاطفہ کی شادی کی کوئی بات کریں اور دیکھ کھانا وغیرہ دیکھ لیتا ایلا کبھی کبھی بالکل ہی پکنا بھول جاتی ہے۔ چل اٹھ میری شہزادی۔“ انہوں نے کہا تو وہ فوراً اٹھی۔ اور باہر آگئی۔

”اوہ تو بڑی رہنا آج سسرالی آرہے ہیں۔“ وہ عاطفہ سے کڑھائی والی چادر لیتے ہوئے بولی۔ چہرے پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ عاطفہ بدلتی کاسر حیا سے جھک گیا۔ وہ کافی شرمیلی تھیں۔

”نہیں دیکھ کے لگتا ہے کہ یہ اس دور کی لڑکی ہے جس کا سر شرم سے سسرال کا ایم من کے ہی زمین سے لگ رہا ہے۔“ ایلا نے چھیڑ تو اماں جو اس کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ صحت بولیں۔

”تیری طرح ہے شرم تو نہیں ہے۔“

”ارے اماں آپ نے تو کبھی میرا ساتھ نہیں دیا“

چاہے میں کتنی ہی کیوں نہ ہوں۔“ وہ شکوہ کنال نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

”ماں آج اور رات رک گئیں۔ وہ ماں سے کافی خوشوار تعلقات رکھتی تھیں۔ انہیں اپنی منہ بہ من تھی۔ رات اماں اور ماں نے خوب باتیں کیں۔ صبح نماز پڑھ کے ہی سوئیں۔

”تو یہ یہ اماں اور ماں نے بجائے کیا کیا باتیں کرتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کچھ باتیں سرگوشیوں میں بھی کرتی ہیں۔“

بجائے وہ کیا باتیں ہوتی ہیں۔“ ایلا نے ارما سے کہا۔ اس کے لیے میں جتنس کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔

”تمہیں اس سے کیا مطلب جو بھی باتیں کریں۔“ وہ مسکرائی۔

”مطلب ہے تو بات کر رہی ہوں نا۔ مجھے لگتا ہے کوئی بات ایسی ہے جو اماں نے ہم سے چھپائی ہے۔“

”تو تو بس پاگل ہے ایلا۔ اگر چھپائی ہے تو پھر وہ رہنے دو کیوں اس کے جانے کا جتنس ہے تمہیں۔“

کوئی وجہ ہی ہوگی اسے چھپانے کی۔“ ارما تو صدی کی ایسی ہی تھی کسی بات کو کریدنے کی عادت نہ تھی

اسے۔

”آف تو یہ کتنے ٹھنڈے پانی سے گوندھی گئی ہے تمہاری مٹی محال ہے خون میں ذرا سا بھی لپل ہو۔“

ارما کے مزاج کے ٹھنڈے پن پر ایلا نے چڑکے کہا۔

ارما مسکرا دی۔

”اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے چلتی ہوں۔“ اماں جا گئیں تو سلا م کر کے دینا۔ ارما ناشائستہ کمر کے بولی اور چادر لے کے نکل گئی۔

اسکول پہنچی تو اسے سبلی شروع ہونے والی تھی۔

”جی اسی نے میڈم کا پیغام دیا کہ وزیر روم میں آئے۔ وہ دوپٹہ سر پہنے ہوئی وہاں پہنچی تو سامنے صوفے پر طارق بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بولتی وہ سامنے آگیا۔

”مجھے بات کرنی ہے ارما آپ سے۔“

”سوری مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔ آپ نے جو بھی کہا ہے وہ میڈم سے کہیں۔“

”مجھے آپ سے سوری کرنا ہے۔“ وہ پہلی دفعہ کسی کے سامنے یوں نرم انداز میں بولا تھا۔

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ اس نے رکھیلی سے جواب دیا۔

”مگر میں جانتا ہوں کہ آپ ہرٹ ہوئی ہیں۔“

”ہاں ہوئی ہوں مگر اپنی بے عزتی پر۔ جو میری غلطی کے جواب میں ہوئی۔ مگر آپ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

”ارما میں جانتا ہوں کہ آپ کی شکایت کرنے میں میں نے جلدی کی۔ انسان سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ آئی ایم سوری فارورڈ۔“

”اس لو کے۔“ کہہ کے وہ آگے بڑھی تو وہ دوبارہ سامنے آیا۔

”ارما ایک بات اور بھی کہنی ہے۔“ وہ رک رک کے بولا۔

”جی۔“

”میں اپنی آئی کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔“

اس نے گھر گھر کے کہا۔

”نہیں۔“

”میں بھیجوں گا۔“ وہ اٹھ رہا۔

”ہرگز نہیں۔“ اس کی آواز چٹان کی مانند سخت تھی۔

”میں پھر بھی بھیجوں گا۔“ وہ کہہ کے اس سے ہٹا ہٹا کر اٹھتے ہوئے گزر گیا۔ اور واقعی اس شام اس کی اپنی ان کے گھر میں تھیں۔

”اماں آپ ان کو انکار کر دیں۔“ ارما نے ازکی کے جانے کے بعد اماں کو کہا۔

”کیوں۔“ وہ سوچے کیوں انکار کروں۔ پہلے پوچھوں گی، پتا کرواؤں گی، اگر مناسب ہوا تو بھلا دیوں انکار کروں گی۔“ نہیں ارما یہ جیروانی ہوئی۔

”اماں میں شادی نہیں کروں گی۔“

”کیوں۔“ کیوں نہیں کرے گی شادی۔“

”جس کہہ دیا نا کہ نہیں کروں گی۔ مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔“ وہ چلائی۔

”وہ نفرت کی۔“

”اس نے میری غلط شکایت کی ہے۔ اس کی وجہ سے میڈم نے میری بے عزتی کی۔“

”اوہ میری طرف دیکھ۔ چل اس سے نہ سہی مگر شادی کیوں نہیں کرے گی۔“ اماں کو اس کا انداز کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔

”اماں میں بھلا کیسے شادی کر سکتی ہوں۔“

”جیسے ساری لڑکیاں کرتی ہیں۔“

”میں ان ساری لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں اماں“

میری کچھ دھندلایاں ہیں۔“ وہ سر جھکا کے بولی۔

”کیا وہ دھندلایاں ہیں تمہاری۔“

”اماں میں آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔ میں وہاں کیسے چلی جاؤں جہاں سے آپ تک میرا ہاتھ ہی نہ پہنچے میں نے رشتے میں بندھ کے تب کو صرف بے بسی سے دیکھتی رہوں“ نہیں اماں میں نے آپ کا سہارا بننا ہے۔ ایلا کو رخصت کر کے ہم ماں بیٹی ایک دو سرے کا سہارا بنیں گے۔“ ارما نے کہتے ہوئے ماں کے ہاتھ تھام لیے جنہیں انہوں نے بے دردی سے جھٹک دیا۔

”ایک بات تو بھی میری عورت سے سن لے ارام۔ میں وہ ماں نہیں جو تجھے خود غرضی کے بھیٹ چڑھا دوں۔ تیری خوشیاں تیری جوانی اپنے لیے قربان کروں۔ تو میری بات سن لے چل یہ تجھے پسند نہ سہی مگر جب بھی مناسب رشتہ ملا میں تجھے رخصت کروں گی۔ رہا میرا خیال۔ تو تو فکر نہ کر وہ جو پیدا کرنے والا ہے وہ پتھر میں کینرے کو بھی رزق دیتا ہے۔ تو اپنی فکر کر ہم تیری کمائی کے بغیر بھی کھائیں گے۔“ انہوں نے اسے ڈانٹا۔

”اماں میں نے کب کہا ہے کہ میری وجہ سے یہاں کو فتنے اور کڑاہیاں پکٹی ہیں؟“ وہ منمنائی۔ ”کیسا لڑکا ہے ازی کی کا بھائی۔“ انہوں نے اس سے دوبارہ پوچھا۔

”چھوڑیں اماں۔۔۔ وہ نہیں۔“ ارام نے دل پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

”چل جو نصیب ہو گا وہ خود بخود نام سے نام جوڑ لے گا۔ میری ہیرا بنی ہے تو بھلا رٹنے دوں گی تجھے۔“ وہ اس کا ہاتھ چوم گئے بولیں تو وہ افسردگی سے مسکرا دی۔ اماں نے انکار کر دیا۔ تو اگلے دن حسب توقع وہ اس کے سر پہ آن پہنچا۔

”ارام۔۔۔ پلیز یوں انکار مت کرو۔“ ”تو پھر کیسے کروں۔“ وہ طنزاً بولی۔ ”میری آنکھوں میں دیکھ کے میں نے کبھی کسی کے ساتھ یوں بات کرنے کی ہمت نہیں کی۔ تم سے کہہ رہا ہوں تو یقیناً تم میں کوئی ایسی بات ہے جو اس اچھے ہوئے انسان کو زندگی کی خوشی دے سکتی ہے۔“ وہ لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولا جو بات کرنے سے پہلے ہی خشک ہو چکی تھی۔

چند لمحے عمل سنا رہا۔ اس پاس بھی ہو کا عالم تھا۔ مگر پھر گھنٹی کی آواز نے اسے سبکی ختم ہونے اور پہلا پیریڈ شروع ہونے کا سگنل دیا تو بچوں کا کلاس جانے سے پہلے کا شور گونج اٹھا۔

”میں چلتی ہوں۔“ اس کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔

”ارام! اپنی آنکھوں۔۔۔ سوال دہرایا۔

”نہیں۔“ وہ ڈلی رہی۔ ”کیوں۔۔۔“ وہ چڑ گیا۔ ”میری مرضی۔۔۔“ وہ ان گہری سوچوں سے لونی تو سنبھل کے بولی۔ اماں نے تو اپنے تئیں اسے سمجھا دیا تھا مگر وہ اپنے حالات سے آنکھیں چرا نہ پائی۔

”تمہاری مرضی تو تمہاری آنکھوں سے صاف ظاہر ہے۔“ ”پلیز طارق۔۔۔ آپ کیوں میرا تماشا بنانا چاہتے ہیں کب میں نے آپ سے محبت کی ذور باندھی ہے کون سے بیاں باندھے ہیں کب ملاقاتیں کیں۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”ارام اگر میں کہوں کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے تو پھر۔۔۔“ طارق کو اقرار کرنا پڑا۔ ”تو بھی میں مجبور ہوں۔“

”میں تمہاری مجبوریاں پاؤں لوں گا۔ تم صرف میرا ساتھ دے دو۔ میرے پاس وجود کو سیراب کر دو۔“ اس نے ملتی جلتی انداز میں کہا۔

”میں تو خود قطرے قطرے کو ترسی ہوئی ہوں۔ مجھ سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔“ ”مجھے ارام کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ بے تابی سے بولا۔

”اور ارام کچھ بھی نہیں ہے سوائے ایک کھوکھلے وجود کے جس کے گرد غریب نے پہرہ بٹھا رکھا ہے۔“ وہ گہرا سانس لے کے بولی۔

”مجھے پھر بھی ارام چاہیے جو میرا اور جس کا میں سہارا بن سکوں۔“ وہ ڈٹا رہا۔ ”نجانے طارق کو کیسے وہ سب کرنا آتا جا رہا تھا جو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔“

”کیا ممکن نہیں ہے۔“ ”پلیز۔“ وہ بھلا اٹا کب جھکا تھا سوائے ارام کے۔ ”میں بہت مجبور ہوں طارق۔ آئی ایم سوری۔“ وہ خود بہ ضبط نہ رکھ سکی۔ فوراً وہاں سے نکل گئی۔ اور وہ بکھرا بکھرا گھر آ گیا۔

آپنی نے فون کیا جب پتا چلا کہ وہ گھر پہ ہے تو اپنی

طرف بلا لیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی طرف آ گیا۔

”طارق میں کوئی اور اچھی لڑکی دیکھ لوں گی۔“ ازی نے کہا تو وہ جھٹ بولا۔

”نہیں آپنی۔ آپ ارام کو ہی راضی کریں۔“ ”کیا مطلب۔۔۔“ وہ ان کے انداز پہ چوٹیں۔

”آپنی دراصل وہ یہ سب غصے میں کر رہی ہے۔“ پھر طارق نے انہیں تمام بات بتا دی۔ جواباً وہ زور سے ہنس پڑیں۔

”تو یہ تو بالکل فلمی کہانی ہو گئی ہے۔ اب خود ہی منانا ہے۔“ انہوں نے خود کو فوراً ایک طرف کر لیا۔ ”آپنی پلیز کسی طرح بھی اسے راضی کر لیں۔“

”طارق۔۔۔“ ازی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”آپنی میں ان راستوں کا مسافر نہیں تھا جن پہ آپ مجھے لے آئیں بہر حال اسے یہ اچھی طرح بتا دیجیے گا کہ اگر میں نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔“ وہ جس انداز میں بولا تھا اس نے ازی کے چہرے کے رنگ اڑا دیے۔

”یہ محبت سے ہٹ کے کچھ غلط شاید اس کے اندر موجود بے وفائی کا دکھ۔ یا مروانہ اتنا پرستی۔“

”بے وقوف مت ہو طارق۔۔۔ رشتے آسمانوں پہ ملے ہوتے ہیں۔ ان میں ذور زبردستی نہیں ہوتی۔ اگر یہ محبت ہے تو میں ہر حال میں اسے راضی کروں گی۔ اور اگر یہ تمہاری مروا جی کی تسکین ہے کہ اسے حاصل کرو تو یقیناً میں تمہارے پاگل پن میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔“ ازی نے واضح جواب دیا تو وہ جھنجھلا گیا۔

”آپنی وہ جان بوجھ کے مجھے انکار کر رہی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں محبت کی چمک دیکھی ہے اور خود بھی اپنے اندر اس کے لیے نرم گوشہ محسوس کیا ہے۔ حالانکہ میں تو عورت کے نام سے بھی نفرت کرتا رہا ہوں۔ اب اسے احساس ہوا ہے کہ مجھے اس کی طلب ہے تو وہ دھتکار رہی ہے۔ یہ عورت خدا کی ایسی

بے وفاء ہے۔ اسے بھلا وفا کہاں پاس آئی ہے مجھے جیسے شخص کی محبت کو بھٹلا رہی ہے جو اس نام سے ہی واقف نہ تھا کیا وہ نہیں جانتی کہ اس کا انکار مجھے عورت پہ اعتبار کرنے کی پہلی کوشش میں ہی ناکام کر دے گا۔“

”نہیں طارق وہ ایک اچھی شریف اور باکروار لڑکی ہے۔ وہ اپنے گھر کے حالات سے نظریں نہیں چرپا رہی۔ مسز بقالی کی بیٹی اس کی دوست ہے۔ وہ بتا رہی تھیں۔ وہ جانتی ہے کہ اگر چاروں بیٹیوں کی شادی ہو گئی تو اس کی ماں شمارہ جائے گی۔ وہ اس لیے انکار کر رہی ہے۔“ ازی نے اس کے دفاع میں کہا۔

”بہر حال آپنی آپ دوبارہ جانے گا۔ میں کل آخری بار پھر ملوں گا اس سے۔“ طارق نے دھیرے سے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

مگر اگلے دن وہ جانے کی ہمت نہ کر سکا بلکہ پورا ہفتہ گزر گیا۔ آفس میں بھی وقت گزاری ہی ہو رہی تھی کسی کام میں دل ہی نہ لگتا تھا۔ اگلے دن وہ خود کو پر سکون کر کے اس کے سامنے آیا تو وہ بالکل خاموش رہی۔

”ارام میں مانتا ہوں کہ میں ایک اچھا انسان نہیں ہوں میری غلطیاں میرے لیے مسائل بھی پیدا کر رہی ہیں ان کی آگے بھی کوئی گارنٹی نہیں میرے پاس مگر آج ایک آخری کوشش کرنے آیا ہوں کہ ماں جاؤ۔ بہت ٹوٹا ہوا شخص ہوں میں۔ ایک نامکمل اور ادھورا انسان جس کے نصیب سے خوشیاں ہمیشہ ہی بھاگتی رہی ہیں۔ پہلی بار کسی کی طلب کی ہے سوچنا۔ تھوڑا سا ضرور سوچنا۔“ اس کے لہجے میں واضح شکست تھی۔ ارام نے کن آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”طارق میں تمہیں تمہاری غلطیوں پہ نہیں بلکہ اپنی مجبوریوں کی بنا پہ بھٹلا رہی ہوں۔ اگر میں نے بھی شادی کر لی تو میری ماں اکیلی رہ جائے گی۔“ غصہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”اگر اعتبار رکھو تو یقیناً انہیں ہم ثنا نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ بولا۔

”لیکن۔“ وہ ابھرنے لگی۔

”پلیز ارام۔“ طارق نے اس کی بات کاٹ دی۔
 ”طارق کیا بھی کوئی انسان اپنی خواہشات کو فوقیت دے کے خوش رہ سکتا ہے۔ میں اگر اوجھڑے وجود کے ساتھ تمہاری زندگی میں آ بھی جاؤں تو کیا تمہیں مکمل کیاؤں گی؟ جب دل و دماغ ہر وقت پھٹنے دھکوں اور پریشانیوں پہ کڑھتا رہے۔ لڑکیاں لاکھ لاکھ گھر میں خوش رہیں مگر میکے کے دکھ انہیں سکون سے رہنے نہیں دیتے اور میرے تو مسائل بھی بہت ہیں۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”پھر بھی تمہیں تمہاری والدہ شادی کے لیے مجبور ضرور کریں گی۔“
 ”مگر مجبور ہو ہی گئی تو وہ تم ہی واحد شخص ہو گئے جس کے نام پہ سر جھکا دوں گی۔“ وہ سرخ چہرے کو جھٹکا کے بولی تو طارق کو لگا کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ وہ تو سورت کی پہلی روشنی تھی جو چھن چھن کرتی اس کے وجود کو چمکا رہی تھی۔ وہ تو چاند کی رو پہلی کرن تھی جس نے طارق کے دل و وجود کو روشن کیا تھا۔ وہ تو خود ہی اجالا تھی۔

”تھینک یو۔“ طارق نے دھیرے سے کہا اور پلٹ آیا۔ آج اس کے ساتھ اس کا غور تھا۔ اس کی جال میں ایک اعتماد تھا کچھ یا لینے کا احساس۔ وہ اس پہلی بے وفائی کے زخم پہ مرہم رکھنے چلا تھا۔ جہاں ارام نے عورت کی وفا کی جنگ لڑی تھی اور اس نے اپنی ذات کی بے اعتباری کو شکست دینی تھی کہ محبت ہی زندگی ہے۔

”دوسری طرف ازکی آپنی مہم میں جتنی ہوئی تھیں اور بچا ہوا ہو ہی گئی۔ اسے یقین نہ آیا۔

”مفتی کا چھوٹا سا فکشن سلوکی سے ہو گیا۔ ارام کی طرف سے اس کے قریبی رشتہ دار موجود تھے، لہذا طارق کی طرف سے ازکی ان کے شوہر اور ایک دور رشتہ داروں جو ازکی آپنی کے سرسالی تھے آئے اور مفتی کی انکو بھی ازکی نے پرستاری۔

”خوش ہو۔“ اگلے دن طارق اس سے پوچھنے لگا تو

وہ مسکرا دی۔

”جی۔“

”اچھی لگ رہی ہو آج۔“ طارق اس کی جھٹی جھٹی پلکیں دیکھتے ہوئے بولا۔

”مگر طارق پلیز اب تھوڑی احتیاط کیجیے گا۔ بندہ سب کی نظروں میں آجاتا ہے۔“ اس نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”ہاں احساس ہے مجھے۔ ان شاء اللہ پریشان نہیں کروں گا۔“ اس نے یقین دلانا چاہا مگر فطرت بھلا کب بدل سکتی ہے سوہرہ سرے روز آجاتا۔

وہ انتظار کر رہا تھا اور ارام کسی بچے کے سلسلے میں ایک نوجوان سے بات کر رہی تھی۔

طارق اسے کسی اجنبی سے بات کرتے دیکھ کے پہلو بد لئے لگا۔ بمشکل خود کو بولنے سے باز رکھا مگر جب وہ چلا گیا تو پیچھے پھوپھاتے پاتے بھی ٹیکھا پن آئی گیا۔

”کون تھا یہ۔“ ارام نے حیرت سے اسے دیکھا مگر اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

”کلاس کا بچہ ہے علی“ اس کے چاچو تھیں علی کے بارے میں بات کرتے آئے تھے۔ ”ارام۔“ عام سے انداز میں بتایا۔

”بھئی کبھی آتا ہے کہ اکثر۔“ سوال میں کیا تھا کہ ارام نے سر جھٹکے سے اٹھایا۔

”کیا مطلب۔“ چونک جانا فطری بھی تھا اور جائز بھی کہ اس کے لہجے میں ہلا کی کٹ تھی۔

”میرا مطلب ہے کہ۔“ وہ خود ہی الجھ گیا۔ سمجھ نہ آیا کہ اب کیسے بات سنبھالے۔

”طارق میں نے آپ کے ساتھ قدم بہت اعتبار اور اعتماد سے اٹھایا ہے اور رشتے اعتبار اور اعتماد سے ہی چلتے ہیں۔ اور یقین کریں کہ میں نے بہت اعتماد اور حوصلے سے اس رشتے کی میزبانی پہ پہلا قدم رکھا ہے۔“ اعتماد اس کے لہجے سے چھٹک رہا تھا۔

”ہیں ارام میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میرے سوا کوئی دیکھے۔“ وہ جھنجھالایا۔

”تو پھر دعا کرو کہ ساری دنیا اندھی ہو جائے۔“ وہ ہلکی سی شرارت سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔ وقتی طور پر یہ بات مذاق میں ختم ہو گئی۔ ارام نے بھی اس کے رویے کو روایتی مردانہ حاکمیت ہی جانا مگر اس کے بعد طارق نے اسکول آنا بہت کم کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی فطرت ارام اور خود اس کے لیے مسائل پیدا کر دے اور نتیجہ صرف پچھتاوے ہوں۔

مگر پھر یوں ہوا کہ جو نئی عاطفہ باہمی کی شادی کی ڈیسٹ لکھیں ہوئی طارق نے ازکی آپنی کے ذریعے دیا دیا بڑھلایا کہ ارام کو بھی رخصت کر دیا جائے۔

”مگر ارام یہ کیسے ممکن ہے۔“ گھر میں جس نے سنا حیرت سے کہا۔

”میں خود پریشان ہو گئی ہوں عاطفہ بھلا فاطمہ سے پہلے ارام کی شادی کیسے کروں۔“ ارام کے سوچ کے دائرے بڑھتے چلے گئے۔

”ظاہر ہے ارام فاطمہ باہمی ارام سے بڑی ہیں، مفتی بھی ہو گئی ہے، کوئی انتظار تو کرنا نہیں ہے۔“ ارام نے کہا اور کمرے میں آگئی، ارام کے لیے ماں کے پاس چارپائی پہ جبکہ ایک طرف ہو کے بتائی اور ماں کا ہاتھ قائم کیا۔

”ارام آپ سیدھی سیدھی بات کریں ایک سال کی بات ہوئی تھی، ابھی تو چار ماہ بھی نہیں گزرے۔“ ارام نے پریشانی سے کہا۔

”ارام بہت کہا ہے مگر وہ بس یہی کہہ رہے ہیں کہ صرف دو کپڑوں میں رخصت کر دیں۔ ہمیں صرف ارام چاہیے گھر میں طارق کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ بہت مسئلے ہیں۔“

”مگر ارام یہ غلط ہے اپنی زبان پہ قائم رہنا چاہیے۔“ ارام کے عجیب سے احساسات ہو رہے تھے نہ اسے ہرٹ کہانے کا سوچ سکتی تھی اور نہ ماں کی عزت کا تماشہ دیکھ سکتی تھی۔

”مفتی یہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں یہاں فٹ سے سیدھی بات منہ پہ نہیں کی جاسکتی۔“ وہ ایک ہاتھ پر عورت اور بیٹیوں کی ماں نہیں، اس لیے کوئی

بھی بات نہ سوچے تھے نہیں کرتی تھیں۔
 ”ارام میں نے کتنا کہا تھا کہ ابھی میری مفتی و مفتی کے چکر کو چھوڑیں۔“ ارام نے کہا تو وہ بھڑک اٹھیں۔
 ”تو تو کیا میں تیری بڑیوں کی کمانی کھاتی۔ تیری زندگی اپنی دو وقت کی روٹی کی نذر کر دیتی۔ میرا سکون تو پاگل لڑکی تم لوگوں کی اچھے گھروں میں رخصتی سے مشروط ہے۔ تم لوگ خوش ہو گے تو مجھے سکون ملے گا۔“ وہ اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگا کے بولیں۔

”اور ارام کی فکر کرنے کی ضرورت کسی کو نہیں، میں بھلا وہ قدم یہ ہو کے ارام کو تھما چھوڑ سکتی ہوں۔“ فاطمہ نے کہا جس کے سرسال کے گھر کی دیوار ان کے گھر کی دیوار سے ملی تھی۔

”ہیں تو ارام پھر اٹھ کاٹم لے کے ارام کے لیے ہی بھر لیں۔“ فاطمہ نے کہا، یکدم ہی پریشانی کے پادل چھٹ گئے۔

مگر ارام کے اندر کہیں اداسی نے ڈیرے ڈال دیے تھے اسے ایک ہی سوچ کھا رہی تھی کہ فاطمہ باہمی کی جب شادی ہوگی تو گھر کیسے چلے گا، ایلا لا پروا سی گئی۔ اور پھر وہ بھی رخصت ہو گئی تو اب آگے سوائے نشان تھا جو اسے تنگ کر رہا تھا وہ جانتی تھی کہ ولادہ لاکھ کیس گھر وہ بیٹے بن نہیں سکتے۔ ان کے رویے اچھے ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں زمانے اور رشتوں میں کھو جاتے ہیں۔ وہ اپنی سوچ سے پریشان تھی۔ حساس دل کی مالک تھی اسی لیے ڈر رہی تھی۔

ارام طارق کی طرف سے ہر سکون تھیں، ان کے چہرے کے رنگ بدل گئے اور انہوں نے مطمئن ہو کے عاطفہ اور ارام کو رخصت کر دیا۔



آف وائٹ غرارے میں وہ موٹیے کے پھولوں کے سنگ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، گھرے کی خوشبو اور مندی کی منگ نے گھر کو منکا دیا تھا اور جب رسموں کے بعد ازکی اسے کمرے میں لائی تو گلاب کے پھولوں کی منگ نے اور ہی ماحول بنا دیا۔

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

ہو کے یکن میں آنے کا کہہ کے باہر نکل گئیں تو اس نے الماری سے کپڑے نکالے اور لپ اسٹک لگا کے باہر آگئی۔ یکن سے آتی آوازیں خود یکن کا پتا دے گئیں۔ ویسے بھی برآمدے میں ایک طرف باورچی خانہ تھا اور آگے لکڑی کی جالیاں لگی تھیں، آگے چھوٹا سا صحن تھا اور اس کے کمرے کے ساتھ دوسرا کمرہ تھا۔ برآمدے کے دوسرے طرف چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا جس کا دروازہ ایک طرف برآمدے اور دوسری طرف صحن میں تھا۔

”آؤ آؤ اور ادھر ہی آجاؤ اور اپنے میاں کے لیے مٹھا بناؤ“ وہ لاکھ منع کرنے کے باوجود ناشتا لینے گیا ہے بڑے شوق سے۔ ”انہوں نے بتایا تو وہ چوکی۔

”مگر آبی آج تو ناشتا ملان کی طرف سے آتا ہے۔“ وہ دھیرے سے بولی۔ کیونکہ ایلا کو وہ جانتی تھی کہ وہ ان رسکوں کی جتنی شوقین تھی۔

”لیکن طارق تو بہت شوق میں گیا ہے، پلیر اس کے سامنے انکار نہ کرنا، دل ٹوٹ جائے گا اس کا۔“ انہوں نے ایسے بات کی وہ چپ کر گئی۔ حالانکہ اندر سے پریشان ہوئی تھی۔

وہ کچھ ہی دیر میں آگیا، مگر نجانے کیا ہوا اس کا آتے ہی چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔

”ارے طارق کو کیا ہوا۔“ ازکی نے سوچا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ جا کے پوچھتی وہ سرخ بھجھو کا چہرہ لیے یکن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ اس کے دماغ کی رکیں تھیں۔

”طارق۔۔۔“ ازکی نے کچھ کہنا چاہا تو وہ فوراً ”آگے بڑھا۔

”آبی جب میں نے سختی سے منع کیا تھا کہ ارا کا کوئی بھی جوڑا سرخ رنگ کا نہیں ہو گا تو پھر یہ کہاں سے آیا۔“ وہ غصے سے ارا کو جھٹکے سے آگے کھینچ کے بولا۔

”جی تو وہ وہیں بیٹھا تھا۔ وہ مسکرا کے اس کی طرف آئی۔“

”اے نہیں ناماز پڑھ لیں۔“ ارا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کے کہا تو طارق نے جھٹکے سے اسے قریب کر لیا۔ وہ اس جملے کے لیے تیار نہ تھی۔

”پہلے دیدار یا راتوں کو۔“ وہ پھر بھٹکے لگا۔

”وہ ساری رات ہوتا رہا ہے، رب کے سجدے کا وقت مختصر ہوتا ہے، اسے ہاتھوں سے مت گنوا میں چلیں انہیں۔“ اس نے خود کو چھڑانا چاہا، مگر اس کے اپنی گرفت سے نکلنا آسان نہ تھا، اس نازک سی حسینہ کو۔

”ہوں تو کیا کہہ رہی تھیں آپ۔“ شرارت لہجے میں بھری تھی۔

”طارق وقت نکل رہا ہے۔“

کچھ دیر بعد صبح کی روشنی پھیلنے لگی، وہ اٹھی اور کھڑکی سے پرہ ہٹا کے دیکھا۔ چھوٹی سی کپڑی پر اوڑھنی لگی ہوئی تھی اور اس پر خوبصورت بیلیں لپیٹی تھیں۔ اسے الماں کی یاد آئی۔ نجانے وہ کیا کر رہی ہوں گی۔ یقیناً ”اواس ہوں گی کہ عاقبت ملتی اور وہ دونوں ایک ساتھ جو گھر سے رخصت ہو گئی تھیں۔

ایلا بھی آج ضرور اواس ہوگی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اواس کی چال اور ڈھتی کسی کے مضبوط بازوؤں نے اس کے گرد دائرہ تنگ کر دیا اور کانوں میں دھیرے دھیرے صبح بیکری سرگوشیاں ہونے لگیں۔ وہ شرما کے مڑی اور اس سے لگ کے اواسی کو دور پھینک دیا کہ اواس ہونے کے دن نہ تھے۔

”چھا چلیں باہر جائیں اور ازکی آبی سے پوچھیں کہ میں باہر آؤں۔“ اس نے کہا تو کھڑا کھڑا وہ شخص مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں ازکی اندر آئی اور اسے خود سے لگایا۔ اور مسکرا مسکرا کے دیکھنے لگی وہ شرما گئی۔

خوبصورت قاضی بڑا تھا اور قاضی سے بچ کر کے کھڑکیوں پر پروے لگائے گئے تھے۔ بیڈ کے دونوں جانب ملحق چھوٹی میزوں پر رکھے خوبصورت لمبے سے دو دھیرا روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

دروازے پر دستک سے اس کی محبت ٹوٹی۔ جلدی سے سر پہ دوپٹہ کھینچتا چلا، مگر یوں کی تعداد اتنی تھی کہ ذرا سا بھی نہ سر کا سکی۔ البتہ چوڑیوں کی کھٹک نے آنسو لے کا استقبال خوب کیا۔

طارق نے آگے بڑھ کے بے ساختہ مندری لگے ہاتھ تمام لیے ارا کا دل بے قابو ہونے لگا اس شخص کو اس نے کتنا سوچا تھا، مگر سامنے پایا تو سوچیں مفلوج ہونے لگیں۔

”میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم اتنی خوبصورت ہو۔ یا میری محبت کا اعجاز ہے جو اتنا روپ آگیا ہے تم پر۔“ وہ اس کا چہرہ اوپر کر کے مدہوش ہونے لگا۔

”طارق۔۔۔“ کب دھیرے سے پہلے۔

”نہیں کچھ نہیں بولنا۔ آج کی رات صرف سنا، کیونکہ محبت کا پہلا فرض صرف محبوب کو سنا ہوتا ہے۔“ وہ سنا جو میرے لب بولیں گے اور تمہارے کان سنیں گے۔“ طارق نے اس کے لبوں پہ انگلی رکھ دی تو ارا کی پلکیں جھپک گئیں۔ کہاں تھی اس کے اندر اتنی تاب کہ اس کی آنکھوں کو دیکھ سکتی، جن میں نشہ تھا، بن پیسے مستی تھی۔

طارق نے اس کلی کی خوشبو کو امر کر دیا۔ وہ منک گئی۔ زندگی انمول ہو گئی، جو آج تک بے قیمت سی لگتی تھی دونوں کو۔

”ج کب ہوئی بتائی نہیں چلا۔

ارا دھیرے سے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکالے اور اس کی طرف بڑھائے اور خود ذرا رنگ نیل کے سامنے بیٹھ کے دھیرے دھیرے زیور اتارنے لگی۔

طارق چیخ کر کے آیا تو دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

”طارق نماز پڑھ لیں۔“ وہ بیٹھ میں اسے دیکھ کے بولی، جو اسے دیکھے جا رہا تھا وہ زیور الماری میں رکھ کے

طارق چیخ کر کے آیا تو دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

”طارق نماز پڑھ لیں۔“ وہ بیٹھ میں اسے دیکھ کے بولی، جو اسے دیکھے جا رہا تھا وہ زیور الماری میں رکھ کے

ارے ارا بڑی ہو جاؤ۔ ازکی نے اس کا وہ بیڈ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہوں آبی۔“

”ارے تمہارے ہاتھ کیوں اتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ بے وقوف ریلیکس کرو۔ اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔“ ازکی کے لیے میں محبت ہی محبت تھی۔ ارا کا سر مزید جھک گیا۔

ازکی آبی نے دودھ کے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور ساتھ ہی مٹھائی بھی اور پھر اس کے پاس آگئیں۔

”ارا میں اور طارق دو ہی بہن بھائی ہیں۔ تمہارے ساتھ نہ ماں ہے اور نہ باپ، اگر بھی رشتوں کو برتنے میں کوئی کمی ہو جائے تو یہ سوچ کے معاف کرنا کہ ہمیں سکھانے والا کوئی نہیں تھا۔ طارق بہت اچھا ہے۔ اچھی جا ب ہے بہت جلد گاڑی بھی مل جائے گی۔ بس تم سے اتنی درخواست ہے کہ میرے بھائی کا بہت خیال رکھنا، وہ بہت ادھورا اور ترسا ہوا شخص ہے۔“ ازکی کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کیا سمجھائیں۔

”میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کی امیدوں پر پورا اتر سکوں۔“ ارا نے دھیرے سے کہا تو ازکی نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

”چھا ازکی اب میں چلتی ہوں اور سنو یہ تمہاری الماری ہے اس میں کپڑے اور سب کچھ ہے اور کچھ ضروری چیزیں الماری کی دراز میں ہیں۔ اب میں کھانا لاتی ہوں تم کھاؤ۔“

”ارے نہیں آبی بالکل کچھ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے فوراً ”کہا تو وہ مسکرا دیں۔

”تو گویا صرف طارق کو بھیجوں۔“ انہوں نے چھیڑا تو وہ سرخ پڑ گئی۔ حیا سے چہرہ گھٹا ہو گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی چلی گئیں تو ارا نے سر اٹھا کے کمرے پہ ایک طائرانہ سی نظر ڈالی۔

پورے کمرے کی ڈیکوریشن گلاب کے پھولوں سے ہوئی تھی۔ اس کے بیڈ پر گلاب کی پتیوں کی پوری چادر پٹی تھی۔ کمرے میں ہلکے رنگ کا کارپٹ تھا جس پر

پورے کمرے کی ڈیکوریشن گلاب کے پھولوں سے ہوئی تھی۔ اس کے بیڈ پر گلاب کی پتیوں کی پوری چادر پٹی تھی۔ کمرے میں ہلکے رنگ کا کارپٹ تھا جس پر

اس کا خوف کے رنگ بیٹا پڑ گیا۔ اس نے کب طارق کا یہ روپ دیکھا تھا۔

”طارق یہ۔۔۔“ بہت ابھی اڑکی کے منہ میں ہی تھی کہ وہ ارام کی طرف مڑا اور بنا کسی لحاظ کے اسے بھکا دے کے بولا۔

”جاؤ ارام اسے بدل کے آؤ اور اس سوٹ کو آگ لگا دو مجھے یہ دوبارہ نظر نہ آئے۔“
ارام کا پاؤں اٹھا اور وہ لڑکھڑاکے دروازے کے پینڈل سے جا کر ائی۔

”اولیٰ۔“ ہاتھ بے ساختہ ماتھے کی طرف پڑھا جہاں سرخ رنگ کا ٹھیک ٹھاک نشان بن چکا تھا۔
ارام بھاگ کے کمرے میں چلی گئی۔

”یا گل ہو گئے ہو تم طارق۔“ اڑکی نے اسے بازو سے پکڑ کے چیخ کے کہا۔

”ہاں ہاں یا گل ہو گیا ہوں جب منع کیا تھا کہ یہ رنگ نہیں لینا تو پھر کیوں لیا آپ نے۔“ اس کی ایک لٹی گردان مچی۔

”نہیں نے کوئی ایسا کر نہیں لیا تھا وہ ہائی چائس اس کی کوئی گت دے دیا تھا۔“ اڑکی نے غصے سے کہا۔ مگر وہ ٹھوکر سے ڈسٹ بن دور پھینٹے ہوئے باہر نکل گیا۔

اڑکی فوراً ”کمرے میں آئی۔ وہ بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھی تھی۔ چپ چاپ آنسو بنے جا رہے تھے۔

”ارے ارام سوری دراصل طارق کو سرخ رنگ سخت ناپسند ہے اس لیے اس نے مجھے کہا تھا کہ۔۔۔“ غلطی میری ہی ہے پلیز سوری۔“

”آئی اتنا غصہ۔“ وہ ڈر گئی تھی۔

”یا گل ہے دیکھنا کتنا شرمندہ ہو گا اپنے رویے پر۔“ تم جلدی سے کپڑے بدل کے تیار ہو جاؤ ابھی تمہارے کمرے والے ناشتالے کے آجائیں گے تو کیا سوچیں گے۔ اٹھو شاباش جلدی کرو۔“

وہ بے دلی سے اٹھی اور کپڑے بدل کے باہر آئی۔ وہ دلی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔ شرمندگی کا شائبہ تک نہ تھا۔

ارام نے بیٹھا تیار کیا تو اس دوران ایلا دو تین کزن اور فاطمہ باجی آئیں۔

”ہی مذاق میں ماحول تھوڑا بدلا۔ طارق نے شہر ہے ٹھٹھے میں ان کا ساتھ دیا۔ مگر جب ایلا نے تیار کیا وہ ان کے ساتھ جائے گی اور طارق شام کو لینے آئے گا تو وہ متفکر ہو گیا۔

”ارے نہیں یہ شام کو میرے ساتھ آجائے گی۔“ مگر بھائی یہ رسم ہے۔“ فاطمہ نے کتاوہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔

”رسمیں بھی تو ہم خود ہی بناتے ہیں۔ میں شام کو لے آؤں گا۔“ کہہ کے مسکرا کے نکل گیا تو فاطمہ نے ارام کی جانب دیکھا جس کا سر جھکا تھا۔ اڑکی نے فوراً آگے بڑھ کے بات سنبھالی۔

”بھئی یہ زیادتی ہے ناکہ ابھی اس نے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں اور آپ لوگ اسے لے جائیں شام کو وہ لے آئے گا۔“

”جی جیسے آپ کی مرضی۔“ فاطمہ نے زیادہ بات نہ کی کہ وہ بہنوئی کے مزاج کو سمجھ گئی تھی کہ وہ صرف اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے اصولوں سے واقف تھے۔

ارام نے آگے بڑھ کے دھیرے سے تھینک لو کہا اور ہاتھ دبا کے بات دبانے کی تاکید کی۔ جو اب ”وہ مسکرا دی۔“

”اور ایلا یہ تمہارے لیے مزے دار ناشتالانے کا انعام۔“ اڑکی نے دو ہزار کے نوٹ تھما کے وہ رسم ادا کی جو اصولاً ”طارق کو کرنی تھی۔“

ایلا نے بنا کسی اعتراض کے یہ سوچ کے کہ کوئی بد مزگی نہ ہو جائے مسکرا کے رکھ لیے۔

طارق لوٹا تو گھر کی خاموشی بتا رہی تھی کہ مہمان جا چکے تھے۔ آبی پگن میں ٹھیں اور فضا اور قاسم کی آوازیں اندر سے آ رہی تھیں۔ وہ یوں بھی بہت خوش تھے کہ ان کی میم ان کی مای بن چکی تھیں۔

”مجھے اس کے ساتھ یوں نہیں کرنا چاہیے تھا کیا سوچے گی میرے بارے میں۔ مگر میں خود پہ ضبط نہیں

کر پایا۔ آئی کو جب منع کیا تھا تو انہوں نے ارام کو یہ بات نہیں کہیں سمجھائی اور پھر دیکھ کے بھی نہیں ٹوکا۔“ وہ چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کے سوچ میں چھپ گیا۔ آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔

ایلا کو سرخ رنگ بہت پسند تھا اور ماما ہر دوسرے دن سرخ رنگ پہن لیتی تھیں۔ ماما کے لیے بیلا موتیے کے گہرے روز لاتے اور کئی دفعہ اڑکی اور طارق نے انہیں خود پہناتے ہوئے دیکھا تھا۔

مگر پھر سرخ لباس کے دھوکے میں بیلا آگئے۔ وہ ماما پر ہزار ہے اور گھر میں کوئی اور موبیلا کی غیر موجودگی میں آنے لگا۔ وہ ماما سے اور ماما اس سے جس انداز میں فریٹک نکلتو کرتے وہ اسے کم عمر ہونے کے باوجود بری لگتی۔ وہ ماما کی بے پناہ تعریفیں کرتا۔ اکثر وہ جان بوجھ کے ان کے سامنے آتا تو وہ ٹھیں ماما کا ہاتھ تھام کے اسے کم عقل سمجھ کے تعریفیں کیے جاتا۔ اسے کتنا برا لگتا تھا۔ ان دنوں ماما بیلا سے بات بات پر جھگڑتی تھیں خواجواہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اٹھو بناتیں۔ اور پھر سب ہو گیا بد کردار عورت کا ماضی ساواں لوگوں کی یاد دہتا ہے۔

وہ ایک دفعہ گاؤں اپنے گھر گیا تو بھئی کی دو عورتوں نے اس کا تعارف آپس میں جو کر لیا تو اسے ہلکے ہلکے مگر آواز میں بھاگنے کے باوجود پچھا کرتی رہیں۔

”کیا کبھی بھی بیلا کی محبت میں کہ طلب ہو چکی۔“ بیلا نے بھی کیا عورت کی بیاس بھی نہیں سمجھتی۔ چاہے محبتوں کی بارش کر دو۔“ وہ تڑپ تڑپ کے رہ گیا۔

”ماں بد کردار ہو جائے تو اس کی آنے والی نسلیں بھٹکتی ہیں جیسے میں اذیت ناک زندگی گزار رہا ہوں اور اب ان اذیتوں کا سا بھی بھی لے آیا ہوں۔ اس معصوم کو بے گناہ سزا سننی پڑے گی۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کے بولا تو لندھے سے کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔

آنسوؤں سے بھری نظریں اٹھائیں تو سامنے مہمان وجود اڑکی آبی کی صورت کھڑا تھا۔ جو پتے پتے مہرا میں بیٹھ بارش بن کے برسا تھا۔

”طارق جب بات کو طوالت دے دی جائے تو تکلیف کا احساس پڑھ جاتا ہے مگر تیرے تم جاکے اسے تسلی دو تاکہ اسے تکلیف کا احساس کم ہو جائے۔ میں ذرا بچوں کو لے کے گھر جا رہی ہوں۔ ٹھیں بھی گئے ہوئے ہیں اور سنو شام کو وقت ہے چلے جانا گاڑی گیسل چھوڑ جائیں گے۔ اٹھو شاباش اور جب یوں آؤت آف ٹریک ہونے لگو تو خود یہ آہٹہ اکر سی پڑھ کے پھونکا کرو۔ اب تمہارا امتحان شروع ہوا ہے اور تمہیں اس میں ان شاء اللہ کامیاب ہونا ہے۔“

”آبی میرے لیے دعا کریں۔“ وہ ان کا ہاتھ تھام کے بے بسی سے بولا۔

”ان شاء اللہ۔“ انہوں نے کہا اور پھر ان کے جانے کے بعد کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور اندر آ گیا۔ وہ شاید آبی کے جانے کے بعد سو گئی تھی۔ کھٹکی کی آواز پر فوراً ”اٹھ بیٹھی۔ طارق پہ نظر پڑی تو نظریں جھک گئیں۔

”آبی ایم سوری۔“ وہ ارام کا ہاتھ تھام کے بولا۔ ”ننی دلسن کا استقبال اتنی بری طرح کیا ہے میں نے سوری۔“ وہ کافی شرمندہ تھا۔ وہ خاموش رہتی۔ ”ارام پلیز کچھ بولو نا۔“ خاموشی پر اسے مزید شرمندگی ہوئی۔

”دراصل آپ کو میری نظر لگ گئی تھی۔ یہ لیں نظر کا ٹیکہ لگا دیتی ہوں۔“ وہ اپنی چھوٹی انگلی سے آنکھ کے کاجل اس کے ماتھے پر لگائے بولی تو طارق نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”جس یاد رکھنا اری مجھے سرخ رنگ سے نفرت ہے۔“

”اب نہیں بھولوں گی۔“ وہ مسکرائی اور اس مسکراہٹ میں بھی دکھ کی لہر تھی۔

”وہ لوگ جلدی چلی گئیں۔“ طارق نے پوچھا تو وہ جان گئی کہ وہ ایلا لوگوں کا پوچھ رہا ہے۔

”جی چلی گئی تھیں۔ اور آپ نے ایلا اور فاطمہ باجی کو کوئی گت نہ بھی نہیں دیا۔“ شکوہ یوں سے مچلا۔ ”گت کیا مطلب ہے وہ نہیں سمجھا۔“

”وہ ناشتا کے آتی تھیں اور رسم کے مطابق آپ کو انہیں جوایا۔“ کچھ دیر تھا۔
 ”اگر سو سو رہی مجھے تو اس رسم کا علمی منہ تھا۔ تم بتاؤ تیں نا ارا کا جلوا ازالہ کر دیں گے۔“ وہ سر پہ ہاتھ مار کے بولا تو وہ مسکرا دی۔
 ارا کو اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ یہ شخص آسٹریلیا نہیں ہے۔ کافی مشکل پسند ہے۔ شام کو اسے تیار ہونے کا کہہ کے ارا کی آنی کی طرف آگیا اور گاڑی لے کے مارکیٹ کی طرف نکل آیا۔ ارا کی امی اور بہنوں کے لیے خوبصورت سوٹ لیے اور ایلا کے لیے ایک خوبصورت نازک سی گولڈ رنگ بھی لے لی۔ فوٹ کے نوکرے ارا کی آنی نے لے جانے کا کہا تھا۔ باقی گفت تو ویسے بھی اس نے ارا سے چھپا رکھے تھے۔
 وہ تیار ہو کے نکلی تو بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اماں نے اسے دیکھا تو واری صدمہ ہونے لگیں۔ دونوں کا صدمہ اتارا۔ عاقلہ بادی اور انجم بھائی بھی آچکے تھے۔

طارق نے جب انہیں گفتیں دیے تو ایلا کا پیٹ کھل اٹھا۔
 ”ارے وہ زبردست۔“
 ”بیٹے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ اور ارا تو نے کیوں نہیں روکا۔“ اماں نے محبت سے ڈالنا جو حیرت سے چیروں کو دیکھ رہی تھی۔
 ”ماں مجھے خود نہیں پتا تھا۔ آپ کے ساتھ ہی دیکھ رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”ارے کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ جھٹ بولا اور انجم کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ خوب رونق لگ گئی تھی۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں جمع ہو گئیں۔ اماں بار بار نظریہ کی دعاؤں کے سبب پھونکتی کر کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اگلے دن عاقلہ بادی کا ویدہ تھا۔ ارا اور طارق کے ساتھ ارا کی آنی کو بھی آنے کی تاکید تھی سو خوشیوں بھری دعوت کو انہوں نے فریادوں سے قبول کر لیا۔ ہر ایک نے ارا کے دلہا کی تعریف کی اور وہ دھیمے دھیمے مسکراتی رہی۔

”طارق جائیں نا گھر کا سارا راشن ختم ہو چکا ہے۔ بڑی گوشت صبح ہی تازہ ملے ہیں۔“ وہ دھڑک کر کے گرد پیٹے جھاڑو سے کمرے کی دیواروں کو صاف کرتے ہوئے کوئی تیسری دفعہ بول۔
 ”ہوں جا رہا ہوں نا یار۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بول۔
 ”اپنے کپڑے پہنے ہیں۔“ وہ مسکرائی۔
 ”دیکھ رہا ہوں کتنی نازک سی ہو اور مجھ جیسے شیر کو قابو کر لیا ہے۔“ وہ اٹھا اور اسے بازوؤں میں بھر لیا اور بالوں سے اٹھیلیاں کرنے لگا۔
 ”ارے طارق کیا ہر وقت لو اسٹوری کے ہیرو بنے رہتے ہیں۔ چھوڑیں بھی کام کر نہ دیں مجھے۔“
 ”تھا بولو کیا کام کروں تم چھوڑو۔“ وہ اس سے جھاڑو لیتے ہوئے بولا جو اس نے اسی رفتار سے واپس لے لیا۔

”آپ صرف یہ نیکی کریں کہ جو اسٹ دی ہے وہ سب کچھ لے آئیں۔“
 ”چھ چھ چھ ابھی لے آ رہا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔
 ”ارے ایسے کہاں جا رہے ہیں کپڑے تو بدلیں۔ ارا نے اسے جاتے دیکھ کے آواز دی۔
 ”ٹھیک تو ہیں یار۔“ طارق نے جلدی سے تھیں کہ اس کو کھینچ کے سلوٹیں نکالنے کی کوشش کی۔
 ”طارق یہ رات کے پینے والے کپڑے ہیں۔ بازار میں کوئی نہ کوئی مل جاتا ہے تو پھر۔“ وہ الماری سے اس کے بیگ میں استری شدہ لٹکے کپڑے نکالتے ہوئے بول۔

”بھئی ہم تو لاکھوں میں ایک ہیں۔ ہر روپ میں شراوے لگتے ہیں۔“ وہ غریب لہجے میں بولا۔
 ”گھر جناب ہم جیسے غلی غلی میں ہیں اس لیے بیچ کے چلنا چاہیے۔“
 ”یار تم جیسی ٹھیکل دیوال تو ہر گھر میں ہیں۔“ وہ ہنس کے بولا اور کپڑے لے کر اندر چلا گیا۔

”ہم کو واپس آیا تو دروازے پہٹی سی ایس والا کھڑا۔“
 ”جی میں لن کی سبز ہوں۔“ ارا کی آواز کانوں سے گزری۔
 ”میں سائن کر دیں۔“ اس نے کاغذ اور پین آگے بڑھایا۔
 ”میں اندر جاؤ۔“ لہجے کی سختی ارا نے محسوس کر لی۔
 ”در جلدی سے اندر آگئی۔ جب وہ اندر آیا تو لیلر اس کے پیچھے دے مارا۔
 ”کیوں دروازہ کھولا تم نے کیوں باہر گئی تھیں۔“ وہ ماں کی مانند بھڑکار کے اس کی طرف بڑھا۔
 ”طارق لیٹر ریسیو کرنے میں۔“ وہ بے ربط سے الفاظ بھٹکلا رہا تھا۔
 ”جب تمہیں پتا ہے کہ مجھے تمہارا مریوں کے سامنے آنا جانا پسند نہیں تو پھر تمہارا ہر کیوں لگیں۔ کیوں دروازہ کھولا میری غیر موجودگی میں اس کی جگہ کوئی اور ہو تو۔“ وہ غصے میں پاگل ہونے لگا اتنی سختی سے اسے بولتا تھا کہ وہ پکڑا کہ وہ چکر کے رہ گئی۔ سہمی ہوئی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ رات کی بے حوالی کی وجہ سے وہ پینے ہی تھا جس میں صلی رہی تھی۔
 ”طارق اللہ کے لیے مجھے چھوڑ دیں۔“ وہ رو پڑی۔
 ”تم۔“ عورتوں کی تسکین ہی غیر ممکن ہے۔
 ”ہے ذرا سا ڈھیلا چھوڑو تو خود کو وہاں لے آتی ہو جہاں تمہارا بے راہرو نفس ہو تا ہے۔“ وہ بد الفاظ ہو گیا۔
 ”تمہارے لیے طارق کیسی باتیں کر رہا ہے ہیں۔“ وہ بالکل ہی پتھر اگئی۔
 ”بالکل ہی ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ بتاؤ تم نے دروازہ کیوں کھولا۔“ وہ بالکل ہی جنونی ہو گیا۔
 ”سواری آئندہ نہیں کھولیں گی۔“ ارا کو اس وقت ہی میں بستی لگی کہ ناگنا کیسے جھک جائے اپنے گھر کے گھر کو تسلیم کر لے۔
 ”کیوں نہیں سمجھتی ہو تم۔“ وہ جھٹکے سے اسے چھوڑ کے پیچھے ہٹا اور نڈھال سا ہو کے صوفے پہ گر گیا۔

”ارے وہ زبردست۔“
 ”بیٹے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ اور ارا تو نے کیوں نہیں روکا۔“ اماں نے محبت سے ڈالنا جو حیرت سے چیروں کو دیکھ رہی تھی۔
 ”ماں مجھے خود نہیں پتا تھا۔ آپ کے ساتھ ہی دیکھ رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔
 ”ارے کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ جھٹ بولا اور انجم کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ خوب رونق لگ گئی تھی۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں جمع ہو گئیں۔ اماں بار بار نظریہ کی دعاؤں کے سبب پھونکتی کر کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اگلے دن عاقلہ بادی کا ویدہ تھا۔ ارا اور طارق کے ساتھ ارا کی آنی کو بھی آنے کی تاکید تھی سو خوشیوں بھری دعوت کو انہوں نے فریادوں سے قبول کر لیا۔ ہر ایک نے ارا کے دلہا کی تعریف کی اور وہ دھیمے دھیمے مسکراتی رہی۔

”ارے وہ زبردست۔“
 ”بیٹے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ اور ارا تو نے کیوں نہیں روکا۔“ اماں نے محبت سے ڈالنا جو حیرت سے چیروں کو دیکھ رہی تھی۔
 ”ماں مجھے خود نہیں پتا تھا۔ آپ کے ساتھ ہی دیکھ رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔
 ”ارے کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ جھٹ بولا اور انجم کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ خوب رونق لگ گئی تھی۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں جمع ہو گئیں۔ اماں بار بار نظریہ کی دعاؤں کے سبب پھونکتی کر کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اگلے دن عاقلہ بادی کا ویدہ تھا۔ ارا اور طارق کے ساتھ ارا کی آنی کو بھی آنے کی تاکید تھی سو خوشیوں بھری دعوت کو انہوں نے فریادوں سے قبول کر لیا۔ ہر ایک نے ارا کے دلہا کی تعریف کی اور وہ دھیمے دھیمے مسکراتی رہی۔

آنسو روپے سے صاف کیے۔
 ”ارے ارے یہ میرے جیسے آنسو بھلا چھپ سکتے ہیں۔“ ایلا نے ماں کے ہاتھ پکڑ لیے۔
 ”اماں کیا اربا یاد آ رہی ہے۔“
 ”ہاں آج صبح سے اس کا چہرہ نظروں کے سامنے سے نہیں ہٹ رہا۔“ انہوں نے اقرار کیا۔
 ”تو پھر چلتے ہیں نا ان کی طرف یا پھر فون کر کے بلا لو اماں۔“ ایلا نے کہا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔
 ”کیوں اماں۔“

”بیٹا اس کامیاں زیادہ اسے اوپر بھیجنا پسند نہیں کرتا اسے پریشان نہ کرو۔“
 ”مگر اماں۔“ وہ جڑی۔
 ”بیٹا ان رشتوں کی نزاکت کو سمجھو وہ کچھ نہیں سکتی مگر ذہنی طور پر پریشان ہو جائے گی۔“
 ”جیسے آپ کی مرضی اماں اب اپنی بہنوں کی شکلوں کو بھی ترستا ہو گا مال ہمارا اور خربے لوگوں کے۔“

”بیٹا بیٹیاں کبھی ماں باپ کا مال نہیں ہوتیں۔ وہ صرف ماں باپ کے گھر لوگوں کی امانتیں ہوتی ہیں اور پھر ماں باپ دیکھتے رہتے ہیں ان کی راہ۔“ وہ دروازے پر نظریں جمائے ہوئیں۔
 ”اماں۔“ یہ آواز ہرگز ایلا یا فاطمہ کی نہیں تھی اور عاطفہ کی تو تھی ہی نہیں۔ تو پھر کون تو پھر۔ اربا۔
 انہیں دروازے پر کھڑی اربا کو دیکھ کے یقین نہ آیا۔ ایلا بھاگ کے اربا سے لپٹ گئی وہ بھی بوڑھے وجود کو بمشکل سنبھالتی تھیں۔ اربا بھاگ کے ان تک آئی۔

”السلام علیکم اماں کیسی ہیں۔“
 ”وعلیکم السلام بیٹی رہ۔“ اس سے مل کے طارق کی طرف مڑیں۔
 ”او میرے بچے۔ دروازے پر کیوں کھڑے ہو۔“
 ”بس چلوں گا آٹھس سے دیر ہو جائے گی۔ آپ بیٹی سے باتیں کریں۔ شام کو آؤں گا۔“ اس کے اندر شروع سے ہی ایک فاصلہ رکھنے والا انداز تھا۔

”بھائی اربا کو کل تک چھوڑ دیں نا۔“ ایلا نے درخواست کی جسے اس نے نہایت اطمینان سے اربا کے کندھوں پر ڈال دی جو طارق کی حسب خواہش اس نے نہایت نرمی سے مل دی۔
 ”بہر حال یہ بھی قیمت ہے۔“ وہ کندھے اچکا کے بولی۔
 طارق کے جانے کے بعد اماں نے ایلا کو اس کے لیے ناشتہ بنانے کا کہا۔

”وہ فاطمہ باجی کہاں ہیں۔“ اربا نے پوچھا۔
 ”وہ آج ٹیوشن سنٹر ذرا جلدی چلی گئی ہے۔ اور کچھ چیزیں بھی لانی تھیں۔“ اماں نے بتایا۔
 ”پتا ہے اربا آج چچی جان فاطمہ باجی کی شادی کی بات کرنے آئیں گی۔“ ایلا نے بتایا تو وہ خوشی سے ماں کی طرف مڑی۔
 ”اچھا اماں یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“
 ”اور ایک اور اچھی خبر بھی ہے۔“ ایلا سے بھلا صبر ہو سکتا تھا۔

”قسم سے ایلا تو بہت بے شرم ہے۔“ اماں نے نہیں بولے ہی جان لیا تھا کہ وہ کیا بتانے چلی ہے۔
 ”کیا جلدی بتاؤ۔“
 ”تو خالہ بننے والی ہے عاتقہ باجی کی خوش خبری ہے۔“ وہ بولی تو اربا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔
 ”اماں مبارک ہو۔“

”غیر مبارک۔ مگر اب تو بھی ہمیں یہ خبر سنا تب خوشی مکمل ہو گی۔“ انہوں نے کہا تو وہ شرما گئی۔ باتوں قہقروں میں دن گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ فاطمہ نے اس کے لاکھ روکنے کے باوجود مزے داری بریانی بنائی۔
 ”بریانی بہت مزے دار ہے۔“ طارق نے بھی تعریف کی۔

”تھنک یو بھائی۔“
 ”چلیں اربا۔“ قہقہہ پینے کے بعد طارق نے کہا تو وہ جبراً مسکرا کے انھی اور پھر جلدی جلدی تیاری کر کے نکلی کہ آنکھوں سے بہتے آنسو اماں فاطمہ باجی اور ایلا کی نظروں میں نہ آجائیں۔

”ارہا تمہیں مجھ پر بہت غصہ آتا ہے نا۔“ رات بیدار لیٹتے ہوئے طارق نے پوچھا۔
 ”نہیں یہ آپ نے کیوں سوچا۔“ دل میں جو بھی تھا ظاہر کر دیا۔
 ”تم تو کیوں کو خود کو چھپانا کیوں نہیں آتے۔“ طارق نے دل ہی دل میں سوچا اور مزید گفتگو کا ارادہ ترک کر دیا کہ کمزور کمزور میں ہر بات سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔

وہ مہربان ہوتا تو پھر یوں لگتا تھا کہ اربا کی زندگی خوب صورت ہو گئی ہے اور ابھی شیک کی آگ وجود میں چلا ڈالتا تو پھر محبت ان شعلوں میں کہیں جل جاتی تھی۔
 وہ اس شخص کو سمجھ نہیں پا رہی تھی کبھی بھی وہ اسے ایسا مل لگتا تھا۔ ازکی آتی ہر لمحہ اس کے دماغ میں گئی رہتی تھیں۔ نجائے اس کی ایسی کون سی عرومیاں تھیں جو ان کے پاس اس کی مطلوبیت کا دماغ بن جاتی تھیں۔

”ہم غریبوں کی زندگی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ہمارے پاس تو سب کچھ کھو جاتا ہے اور جیت جاؤ تو بھی گناہ کرنے کی سزا ملتی ہے۔ ہاں جو آگتہ ہی تو ہے۔ میں نے باپ کے گھر میں چند کچنی خورشیدیں ہی پائیں۔
 زندگی جلد مسلسل تھی۔ بہت کی پرواز کو بلند کرنا چاہا ابھی کتنا اڑ پائی تھی کہ اس پنجرے میں آن پھنسی۔
 محبت کی دور سے کٹ ڈالا ہے اس شخص نے مجھے اور صدا کی مجبور نچلے طبقے کی عورت اس کے ساتھ فنا ہو جانے والی۔

بغاوت کروں گی تو ناک کان ہال کاٹ ڈالے گا اور لڑنے کا حوصلہ کروں گی تو ساری عمر کا حاصل وہ اعتبار تب ملے گا جب بالوں میں چاندی ہو گی تب اس شخص کو فدا داری پر یقین آئے گا کہ اس کے گھر میں جو بیٹی ہو گی۔“ وہ رو پڑی اور روٹی چلی گئی۔ یہ شخص پنجرے کے زخم دے کے محبت کے چھابے رکھتا ہے دو زخم لگانے کے بدلے دو محبت بھرے جملے بولتا ہے۔
 حساب محبت برابر رکھتا ہے۔

فاطمہ کی شادی طے ہو چکی تھی۔ اربا کو اب نئی ٹینڈن لگ گئی تھی کہ اگر طارق نے شادی کے دنوں میں بھی نہ رستے دیا تو سب کو کیا کہے گی۔
 اب وہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے اس خوف میں پڑی رہتی تھی کہ اس بات پر طارق کو غصہ نہ آجائے۔ اس کا مزاج بگڑ نہ جائے۔ یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ محبت کے چند لمحات ہوتے تھے اور خوف کا ایک لہرا عرصہ ہوتا تھا۔

مگر یہ کیا ہوا اب کے بار طارق نے خلاف عادت کمر ڈالا۔
 ”سنو شادی سے دو دن پہلے چلی جانا اور ولیمے کے بعد لوٹ آنا۔“
 ”طارق۔۔۔“ اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

”بھئی تم تو شرمندہ کر رہی ہو۔“ وہ ہنسا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔
 ”نہیں طارق میں بھلا ایسا کیوں کروں گی مگر یقین نہیں آ رہا۔“

”کیا کروں جان تم بن رہا نہیں جاتا۔“ وہ کتنے دنوں بعد مہربان باہل بن کے برسا تھا اور اس کا پورا وجود بھیگ گیا۔

شادی سے دو دن پہلے وہ اسے خود چھوڑنے آیا اور پھر اماں نے اسے حیران کر دیا۔
 ”بیٹی اربا وہ زبردستی ہر مہینے گھر میں راشن ڈال جاتا ہے مجھے شرم آتی ہے تو اسے روکی کیوں نہیں کہیں تو نے تو اس کے سامنے ماں کی غریبی کا رونا تو نہیں رو دیا۔“ انہوں نے کہا تو وہ بے یقینی سے ماں کو دیکھنے لگی۔
 ”نہیں اماں۔“

”اللہ اسے زمانے بھر کی خوشیاں دے۔ بہت نیک بچہ ہے اب دیکھو میرے نہ نہ کرنے کے باوجود ایک لاکھ روپیہ دے گیا ہے۔ لو میں اتنے بڑے احسان کے قائل ہوں۔ نہ بیٹی یہ اسے واپس کر دینا۔“ اماں نے نوٹوں کی گڈی اربا کی طرف بڑھائی جو پتھر بن چکی تھی۔
 ”میں تمہارے کس کس روپ کا یقین کروں طارق۔“

”ہاں میں ازکی آتی کے ساتھ گھر چلی جاؤں۔ طاریق کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ گھر چلے گئے ہیں۔“ اس نے تماشا لگنے سے پہلے ہی وہاں سے نکلنا چاہا۔

”ہاں ہاں چلی جاؤ۔ اس بے چارے کا گھر میں تمہارے علاوہ اور ہے ہی کون خیال کرنے والا۔ ویسے بھی ویسے تو پرسوں ہے۔“

”ہاں! مال آجائوں گی۔“ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”کیا تم دونوں میں کوئی ناراضی ہے ارما۔“ ازکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”آئی۔ پلیز مجھے بتائیں طاریق کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔“ اس نے روتے ہوئے شادی کے بعد کے ایک دن کا حوالہ دیا۔

ازکی نے سر پکڑ لیا۔ جمیل احمد کے ہاتھ ایمرنگ پر کانٹے لگے۔

”میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ ضبط نہ کر پا رہی تھی۔

”پلیز میری مدد کریں۔ میں طاریق سے خوفزدہ رہنے لگی ہوں۔ اس سے پہلے کہ اس کا قصہ کہیں کسی ظالم کے ہاتھ نہ جاوے اور میں بے گناہ سزا کی حق دار ٹھہرائی جاؤں پلیز میری مدد کریں۔“ وہ ان سے لگ کے روتے لگی۔

”آئی۔“ اس نے غم سم پتھرنی ازکی کو جھنجھوڑا تو وہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

”ارما۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔“ وہ جو ہر دن اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتی تھیں کہ اے اللہ تو نے اسے راہ دکھا دی ہے تیرا شکر کیسے ادا کروں۔ وہ کیسے اس صدمے سے نکل پائیں اتنی جلدی۔

گھر آ کے ازکی نے جلدی جلدی اسے چائے بنا کے دی اور اندر کمرے میں لٹا دیا۔

”جمیل یہ سب کیا ہو گیا۔“ وہ دھیرے سے سوچ میں غم شوہر کے پاس آ کے بولیں۔

”وہ مجھو ازکی اب بات پھپھانے کا کوئی فائدہ نہیں

دینا چاہیے۔ وہ سمجھ دار لڑکی ہے یہ بہتر ہو گا۔“ جمیل احمد کی آواز ارما کے کان میں پڑی تو وہ فوراً ”اٹھ کے دروازے تک آئی۔“

”مگر جمیل اگر ارما نے اس تلخ حقیقت کو تسلیم نہ کیا تو میرے بھائی کا گھر اجڑ جائے گا۔“ وہ رونے لگیں۔

”نہیں ارما سمجھ دار لڑکی سے سمجھ لے گی بلکہ مجھے یقین ہے وہ طاریق کو سنبھال لے گی۔“

”ہاں میں اسے بتا دوں گی۔“ ازکی نے فیصلہ کیا تو نظروں کے سامنے وہ کھڑی تھی۔

”تم اری۔“ وہ گھبرا گئیں۔

”کیا مسئلہ ہے طاریق کے ساتھ۔“ وہ پھنی پھنی آنکھوں سے پوچھنے لگی۔

”ارما دراصل۔“

”کھل کے بات کریں آئی اب پھپھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ ازکی کی سانسیں خشک ہو گئیں مگر بہت کرنے پڑی۔

”ارما طاریق نفسیاتی مریض ہے۔“ وہ رک رک کے بولیں۔

”نفسیاتی مریض۔“ ارما کو ہچکا گیا۔

”ہاں اور اس کی وجہ اس کی زندگی میں گزرتے والے حالات ہیں جو وہ بھول نہیں پایا ابھی تک۔“ یہ بتاتے ہوئے انہوں نے سر جھکا لیا۔ جمیل احمد انھ کے اندر چلے گئے۔

”جب وہ آٹھ نو سال کا تھا تب میری ماں کو میرے بابا نے قتل کر دیا تھا اور بابا کو پھانسی ہو گئی تھی۔“ پھر ازکی نے اپنا اذیت ناک ماضی حرف حرف سچ کر کے اس کے سامنے کھول دیا۔

”آئی۔“ ارما کی آواز پھٹ گئی۔

”ارما۔ ہاں ارما میری ماں بد کردار تھی۔ عورت بد کردار ہو تو اپنے جرم کی سزا خود سہتی ہے۔ مگر ماں بد کردار ہو جائے تو اس کی نسلیں اذیت سہتی ہیں۔“

میرے بابا کی بے نیاز محبت میری ماں کی بے وفائی کے آگے ہار گئی۔ بس ابھی سے طاریق کو عورت پہ اعتبار

نہیں رہا۔“ بتائے کے بعد انہوں نے ارما کو دیکھا تو وہ ہلکی سی آنکھیں پیلے بھی اپنی راہیں کھنکھاتی تھیں اب وہ بالکل اپنی تاریک ہو گئی ہیں۔“

”نہیں ارما پلیز تم نے ہمت نہیں باری۔ تم میرے بھائی کا اللہ کے بعد واحد سہارا ہو۔“ انہیں اس کی جنگ و پیہ اس کو محبت پہ اعتبار دینا تھا۔

ازکی نے ارما کو تھام کے کہا۔

”میں نے تو اپنی ذات کو کب کا ختم کر دیا آئی اب اور کیا کروں۔“

”ارما وہ تمہیں بہت چاہتا ہے بس اس کے اندر کی وہ کشش اسے کمزور کر دیتی ہے۔“ یحییٰ جانو میں نے اسے تمہاری محبت میں دیوانہ دیکھا ہے۔ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم اس کی خاطر اس کے رنگ میں رنگ جاؤ۔“

ارما انھ کے دھیرے سے چلتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

رات کا بجائے کون سا پیر تھا جب وہ اس کی طرف گیا۔

”آئی ارما یہاں کیوں آئی ہے۔“ اس نے بے بسی سے پوچھا۔

”میں وہاں گیا تو خالہ نے بتایا کہ وہ آپ کے ساتھ آ گئی ہے۔“ وہ اندر آتے ہوئے بولا۔

”تمہیں کچھ احساس ہے طاریق کہ تم نے آج کیا کیا ہے۔“ ازکی نے غصے سے پوچھا۔

”آئی وہ ہے کہاں۔“

”خدا رکتی ہوئی ہے۔“

”کیوں آئی ہے وہ ہاں۔“ اس نے پھر پوچھا۔

”میں نے کہا تھا اسے اس لیے آگئی۔ طاریق تمہیں احساس ہے کہ تمہارے اس رویے سے اس کی ماں کے گھر پوزیشن کیا ہوئی ہوگی۔“

”سوہری آئی۔“

”جاؤ وہ اندر ہے۔ اسے لے کے گھر جاؤ اور اپنے رویے کی معافی مانگو۔“ وہ کمرے کی طرف اشارہ کرتے

”آپ بلا دیں نا آئی۔“

”طاریق جب اسے خفا کر کے فیس کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تو پھر کیوں کرتے ہو ایسا اسے بھی اور خود کو بھی اذیت دیتے ہو۔“ آئی نے کہا۔

”آئی میں ہارنے لگا ہوں۔ میں خود سے ہارنے لگا ہوں۔ میں اسے جھوڑوں گا۔ طاریق دے دیں گا۔“ وہ بولا تو ازکی کا تھپڑ اس کے منہ سرخ کر گیا۔ تو ازکی نے ارما گھبرا کے انھیں۔

”کون ہے آئی۔“ وہ کچھ وقت کے لیے نیند میں چلی گئی تھی۔ طاریق نے نظر پڑی تو سوال کا جواب مل گیا۔

آج اس کے سامنے طاریق کا نیا روپ تھا اور آج اس کے پاس لڑنے کا حوصلہ بھی پہلے سے زیادہ تھا۔

”آئی جاؤں گھر۔“ ارما نے پوچھا تو ازکی نے آنکھیں بند کر لیں اور صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ وہ دروازے کی طرف پڑھ گئی طاریق نے ازکی پہ نظر ڈالی اور اس کے چہرے پر ہنس دیا۔

بائیک کو لگ لگا کے اشارت کیا تو وہ اس کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی۔ دو تین گلیوں سے گزرے تو گھر کے سامنے تھکے طاریق اسے دیکھنے لگا جو کپڑے بدل کے کچن کی طرف گئی تھی اور آوازوں سے لگ رہا تھا کہ کچن کی صفائی میں لگی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹرے اٹھائے اندر آئی۔

”کھانا کھالیں۔“ منہ ازبہ دستور ناراضی لیے تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ نرمی سے جواب دیا۔

”مگر مجھے ہے۔ طاریق آپ کی تمام تر زیادتیوں کے باوجود اگر آپ کے سامنے ہوں تو اس لیے کہ میری ماں نے مجھے رخصت کرتے سے نصیحت کی تھی کہ اب میری ہر خوشی دکھ اور سکون صرف آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔ آپ کی دی ہوئی یہ خیریت جھولی میں نہیں گی ہر خوشی دکھ تکلیف سب کچھ آزمائیں جتنا آزمانا ہے مگر اتنا یاد رکھیے گا کہ ارما نے آپ سے محبت کی ہے اور مرتے دم تک اس محبت کا ہاتھ نہیں دے گی۔“

”کیوں مردوں سے باتیں کرتی ہو وہ بھی غیر مردوں سے۔“

”وہ میرا چچا زاد بھائی ہے۔“

”رشتے صرف خون کے ہوتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے آئندہ نہیں رکھوں گی کسی سے کوئی بھی رشتہ۔ اب آکے کھانا کھائیں۔“ اس نے بات ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ تو وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگا۔

”سرد ہاؤس۔“ ارمانے ماتھے کو دباتے دیکھ کے پوچھا۔

وہ چپ رہا تو اس کے پاس آگئی اور دھیرے دھیرے اس کے سر کو دبائے لگی۔

”وہ تم سے کون سے پرانے رشتے کی بات کر رہا تھا۔“ سوئی وہی آگئی ہوئی تھی۔

”طارق بابا کے مرنے کے بعد وہ ہمارے لیے بالکل بھائی بن گیا تھا۔ اگر کوئی اور رشتہ ہوتا تو وہ بیٹا بنا سکتا نہیں تھا۔ وہ میرا چچا زاد تھا میڈیکل کالاسٹوڈنٹ ہے مگر صرف بھائی ہے یہی رشتہ ہے اس سے اور وہ لڑیلا کا دودھ شریک بھائی بھی ہے اس لیے ہم سب کا بھائی ہے۔“

”ارے دودھ شریک بھائی ہے وہ تمہارا۔“

”ہاں۔“

”لو۔“ طارق نے لمبی ٹھنڈی سانس لی۔

”ایم سواری ڈیئر۔ سو سواری۔“ وہ ایک دم بدلا۔

”پلیز طارق یوں مت کیا کریں۔ میری صرف سانسیں نہیں رکشیں میں باقی تقریباً مرجاتی ہوں۔“

وہ صرف سوچ کے رہ گئی۔

ان اندھیروں میں خوشی کی خبر نے اس کے وجود میں توانائیاں بھر دیں۔

”طارق آپ سے ایک خوشی کی بات شیئر کروں۔“

وہ سر اٹھائی ہوئی کاویوم اٹھاتے ہوئے بولی۔

”ہوں کرو۔“

”دراصل بات یہ ہے کہ۔ میں ماں بیٹے والی ہوں۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

”ہاں طارق ہمارے گھر میں ایک چھوٹا سا مہینہ آنے والا ہے۔ ذرا سوچو تو۔“ وہ اتنی خوش تھی کہ اس کے چہرے پر نمودار ہوتے تاکو کو محسوس ہی نہ کیا۔

”اگر ارمان بے وفا ہو گئی تو کیا وہ بچہ بھی میری طرح تھا ہو جائے گا مریض بن جائے گا۔ اگر ہماری شادی ٹوٹ گئی تو اس کا کیا ہو گا۔“ اس پر ہدایاتی کیفیت حاوی ہونے لگی۔ سوچوں میں متنی رجحان بڑھنے لگا۔ دماغی حالت بگڑنے لگی۔ وہ اپنی خوشی میں اتنی مگن تھی کہ اس کو محسوس ہی نہ کیا۔

”وہ طارق کے ساتھ اماں کی طرف آگئی۔“

طارق نے اسے رہنے کی اجازت دے دی کہ وہ قریب طور پر اس سے دور ہونا چاہ رہا تھا۔ اماں نے سنا تو فوراً اس کا قصد قہار اُٹا۔ اس پر ایک دم سے نور آگیا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ ایلا نے کہا تو وہ شراب آگئی۔

”خوش ہو۔“ ایلا نے پوچھا۔

”ہاں بہت۔“

”بیٹا اچھا لگتا ہے یا بیٹی۔“

”دعا کرتی ہوں بیٹا ہو جائے۔“ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

”اچھا وہ کیوں۔“

”ناکہ اماں کی طرح بڑھاپے میں تنہا ہونے کا خوف نہ ہو۔“ وہ سوئی ہوئی ماں پر نظریں جمائے اداسی سے بولی۔

”اماں کو بھلا یہ کب خوف ہے۔ سو تو میری بہادر ماں ہیں۔“ ایلا نے ماحول کو بالکل بھی افسردہ نہ ہونے دیا۔

”دعا کرو میں بھی اتنی ہی مضبوط ہو جاؤں۔“

”آمین۔“

اگلے دن فاطمہ باجی کا ولیمہ ہوا اور وہ اسے لینے آ گیا۔

”طارق! آپ کو مجھ سے کوئی بات ہے۔“ وہ سوچنے لگی۔

”ایک دن بھی میرے بھائی نہیں رہ سکتے۔“ وہ سوچنے لگی۔

پھر خود ہی ہنس پڑی۔

”میں سے محبت کہتے ہیں یہ محبت ہوتی ہے نہ خوش رہو اور نہ رہتے دو۔ نہ زندگی گزارو اور نہ گزارنے دو۔“

آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیا اور ان میں بہتی خوشیوں کا نظارہ کرو۔ کیا یہی محبت ہے طارق۔“ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے وہ وہیں فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

”ایسے کیوں بیٹھی ہو اور رو کیوں رہی ہو۔“ وہ واش روم سے نکلا تو اسے یوں گھٹنوں میں سر دیے روئے دیکھ کے یوں پریشان ہوا کہ جیسے جانتا نہ ہو۔

”ارمان۔“ اس کا ہاتھ تھام کے اٹھایا اور بازوؤں میں لے کے بید تک لے آیا۔

”میں جانتا ہوں ارمان کہ میرے ساتھ تمہاری زندگی کبھی سکھی نہیں رہ سکتی میں جانتا تھا خود کو مگر پھر بھی تمہاری زندگی خراب کر دی۔“ یقین جانو تم وہ واحد ہستی ہو اڑکی آپ کی بعد جس کی وجہ سے مجھے زندگی سے محبت ہوئی ہے۔ اتنی جتنی سمندر کے پانی میں ایک قطرہ آنسو۔ مگر اس آنسو میں میں نے سمندر کے پانی کے برابر دکھ ملا دیے ہیں۔ میں تمہیں آزاد کروں گا

ماں میں تمہیں طلاق دے دوں گا یہی سوچا تھا میں نے کہ تمہیں آزاد کروں گا مگر پھر تم نے مجھے ایک نئی

زنجیر سے باندھ لیا۔ بچہ ہاں اس بچے کی خاطر اس اذیت ناک زندگی کا حصہ بن جاؤ۔ میری ہسٹو رہ کے

راستوں کے دکھوں کو چھتے ہوئے زندگی گزار لو۔ مگر مجھے چھوڑ کے مت جانا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ کبھی بے وفانہ ہونا کہ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ کبھی مجھ سے نہ روٹنا کہ تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔“ سائیڈ ٹیبل پر پڑے لیپ کی دو دھیا رو سنی کو

مدھم کرتے ہوئے طارق نے سوچا اور آنکھیں موند لیں۔

ازکی میں حوصلہ تو نہ تھا مگر اگلے ہی دن جیل آئی۔

ازکی میں حوصلہ تو نہ تھا مگر اگلے ہی دن جیل آئی۔

ازکی میں حوصلہ تو نہ تھا مگر اگلے ہی دن جیل آئی۔

ازکی میں حوصلہ تو نہ تھا مگر اگلے ہی دن جیل آئی۔

ازکی میں حوصلہ تو نہ تھا مگر اگلے ہی دن جیل آئی۔

”کیوں۔“ کتنی ہی گھنٹیاں جھتی رہیں مگر کوئی آواز نہ آئی۔

”کہاں ہے یہ ارمان۔“ ازکی نے پریشانی سے سوچا اور پھر موبائل سے اس کا نمبر ملا یا۔ تیسری ٹیل پر اس نے فون اٹھایا تو ازکی نے گیٹ کھولنے کا کہا۔

”آپ! آپ۔“

”کلنی دیر سے کھڑی ہوں۔“ انہوں نے بتایا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

”دراصل طارق کو پسند نہیں ہے نا میرا گیٹ پہ آنا۔“ اس نے وضاحت کی۔

”اور اگر کوئی ضروری۔“

”کچھ بھی ہو جائے آپ کی گیٹ نہیں کھولنا۔“ ارمان نے بات کاٹ کے کہا تو وہ چپ کر گئیں۔

”آپ! آج آپ سے صرف مجھے ایک بات پوچھنی ہے آپ جواب دیں گی۔“ وہ سنبھل کے بولی۔

”پوچھو۔“

”آپ کی بیٹی سامنے تھی مگر آپ کو بالکل اللہ کا خوف نہیں رہا تھا آپ نے اپنے بھائی کے علاج کی خاطر میری زندگی قربان کر دی۔“ مجھے نہیں پتا میرا انجام کیا ہو گا۔ میری موت کیسے ہو گی تیز دھار آلے سے گردن کٹی ہو گی یا گولیوں سے چھلنی لاش ہو گی۔ زندہ رہی تو بچانے چہرہ تیزاب سے جھلسا ہو گا یا کسی چھینل

پے ناک کلن یا بال کئے بے بسی کا تماشا بنی ہوں گی۔ آپ کا بھائی ایسا ہی ہے وہ یہ سب کر سکتا ہے۔ آپ نے

میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں عام لڑکی نہیں تھی اور نہ ہی اتنی بے قدری کے قائل تھی مگر آپ نے مجھے اس پنجرے میں ایک بھوکے شیر کے ساتھ ڈال دیا ہے۔“ وہ درد میں ڈوبی بولتی چلی گئی۔

”ارمان میرا بھائی ایسا نہیں ہے۔“ ازکی کے آنسو اس کے دکھ پر بہنے لگے۔

”وہ ایسا ہی ہے اور آپ سب جانتی تھیں۔ آپ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔“ وہ بات کاٹ کے ختمی سے بولی۔

ختمی سے بولی۔

ختمی سے بولی۔

ختمی سے بولی۔

مگر تم ارا اس کے ڈاکٹر سے مل کے پوچھ لو وہ پاگل نہیں ہے۔ صرف تھوڑا سا مسئلہ ہے جو ڈاکٹر کے مطابق کوئی بھی خاص لڑکی جیسے تم سنبھال سکتی ہے وہ پاگل تو نہیں ہے۔

”ہاں جانتی ہوں کہ وہ پاگل نہیں ہے وہ جنونی ہے۔“

”نہیں ارا وہ ایک ترسا ہوا شخص ہے۔“ ازکی نے کہا تو وہ پھٹ پڑی۔

”میرے ماں کے گھر میں جا کے دیکھیں کہ میں کیا تھی۔ زندگی کی خوشیوں کو ترستی ہوئی مجبور لڑکی۔ جس کی آنکھوں میں بہت خواب تھے اور جو اس آس پہ محبت کی دُور کے سنگ بندھ کے اس شخص کے پاس آئی تھی کہ وہ اپنی پناہوں میں لے کے میری ساری پیاس بجھائے گا مگر میرے ہاتھ کیا لگا۔ ایک اور رنگ جو مجھے لڑتی ہے۔“

”ارما جو بھی کسو سر جھکا کے سنوں گی کیونکہ واقعی میں خود غرض ہو گئی تھی بھائی کی محبت میں تمہاری زندگی داؤد لگا دی مگر نبھانے کیوں تم سے ملنے کے بعد مجھے لگا کہ تم یہ جنگ جیتنے کی ہمت رکھتی ہو۔ کچھ ایسا تھا جو مجھے تمہاری دلیلیز تک لے گیا۔“ ازکی آپلی نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔

وہ چپ رہی۔

”آپلی اب جبکہ دھکا دے کر اس موت کے کنویں میں آپ نے گرا ہی دیا ہے تو ہاتھ پاؤں تو مارنے ہی پڑیں گے لڑوں گی اب خود سے بھی اور اس سے بھی۔ آپلی آپ مجھے سب کچھ سب کچھ حرف حرف سچ بتائیں۔“ وہ نرمی سے بولی تو ازکی نے پھر کوئی راز راز نہ رکھا۔ سب کچھ بتایا۔

”آپلی مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

”ارما اسے زندگی کی طرف لے آؤ۔ اس کی زندگی میں روشنی کو۔“

”آپلی کیا آپ کے پاس اپنی ماں کی کوئی تصویر ہے۔“

”آپلی نے اپنے پلیٹ میں ساکن والے ہوئے پوچھا۔ ازکی نے ہنسنے سے سراشا کے اسے دکھا۔

”کیوں نہیں ہے۔“ انداز سوالیہ تھا۔

”سے بالکل ہے مگر طارق کی نظر پڑ گئی تو بہت برا ہو گا۔“ ازکی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”آپ مگر نہ کریں اور دوسری بات کسی طرح مجھے اس ڈاکٹر سے ملو ادیں جن سے طارق نمٹھنٹ لے رہے ہیں۔“ ارا کو اب آگے کا سوچنا تھا۔

ازکی نے اسے یہ تفصیل بتائی۔

”نہیں نہیں۔ کوئی اس کے اندر چننا۔“

”یہ پاگل ہیں نہ کرنا وہ ایک جذباتی انسان ہے۔ کوئی نقصان نہ کرے۔“ دماغ نے سمجھایا۔

اسے ماں سے ملنے کی بے چینی ہو رہی تھی مگر خاطر باہنی کی شادی میں دو دن کا رہتا اب مہینوں کے لیے کافی تھا۔ اور ایسا کا ہر روز یہی کہتا ہوتا تھا کہ آؤ تاکتے دن ہو گئے۔

”طارق کل ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“ ارا چھٹی والے دن طارق کو اپنے ساتھ کام میں لگا دیتی تھی اور وہ سعادت مند اور فرماں بردار شوہر بن کے اس کا ساتھ دیتا۔

”ہوں ہاں چلیں گے۔ کل ڈیٹ لے لوں تو چلیں گے۔ ازکی آپلی سے تم بات کر لیتا۔“

”چھا ٹھیک ہے کر لوں گی۔“

”طارق اس کے بعد میں ایک دو دنوں کے لیے ماں کی طرف چلی جاؤں۔“ دل میں سوچا میں پڑھنے کے بعد ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”نہیں نہیں۔ کوئی اس کے اندر چننا۔“

”یہ پاگل ہیں نہ کرنا وہ ایک جذباتی انسان ہے۔ کوئی نقصان نہ کرے۔“ دماغ نے سمجھایا۔

اسے ماں سے ملنے کی بے چینی ہو رہی تھی مگر خاطر باہنی کی شادی میں دو دن کا رہتا اب مہینوں کے لیے کافی تھا۔ اور ایسا کا ہر روز یہی کہتا ہوتا تھا کہ آؤ تاکتے دن ہو گئے۔

”طارق کل ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“ ارا چھٹی والے دن طارق کو اپنے ساتھ کام میں لگا دیتی تھی اور وہ سعادت مند اور فرماں بردار شوہر بن کے اس کا ساتھ دیتا۔

”ہوں ہاں چلیں گے۔ کل ڈیٹ لے لوں تو چلیں گے۔ ازکی آپلی سے تم بات کر لیتا۔“

”چھا ٹھیک ہے کر لوں گی۔“

”طارق اس کے بعد میں ایک دو دنوں کے لیے ماں کی طرف چلی جاؤں۔“ دل میں سوچا میں پڑھنے کے بعد ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”اور۔۔۔ بچہ۔“ ازکی نے پوچھا تو کچھ توقف کے بعد ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلایا۔
”آئی ایم سوری۔“ طارق کا دل جیسے کسی نے بے دردی سے مسلا ہو۔

”تین ماہ کی خوشی چند لمحوں میں چھین لی میں نے۔“ بچہ تنہا کے سوا اب کچھ ہاتھ میں نہ تھا۔
”آپ مل لیں مریضہ سے۔“ ڈاکٹر کہہ کے چاچھی تھیں اور ازکی اور طارق ایک میں بھی ہمت نہ تھی کہ قدم اٹھاتے۔

”ازکی فیس تو کرنا پڑے گا۔ تم جا کے اس بد نصیب کا سامنا کرو۔“ جمیل احمد کو پہلی دفعہ طارق پہ بے پناہ غصہ آیا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کو بے نقط سناتے غمر شتوں کا احساس درمیان میں آگیا۔
ازکی کافی دیر بعد آئیں اور طارق کی طرف دیکھا جس کا صاف مطلب کیا تھا وہ نظریں چرا کے مڑنے لگا۔ ازکی بھاگ کے اس کے سامنے آئیں۔
”کہاں جا رہے ہو۔“

”آئی پلینز۔“
”کتب تک بھاگو گے سامنا تو کرنا پڑے گا۔“ وہ غصے سے پھنک گئیں۔

”بد بخت ہوتا ہے وہ شخص جو ہتھیلی پہ رکھی خوشیوں کو پھونکوں سے اڑا دے۔ جس عورت کے جرم کو لے کر تم ساری دنیا کی عورتوں کو سزا دے رہے ہو اسے تو کب کا التیہ نے بھی معاف کر دیا ہو گا۔ وہ بے اعتبار تھی بے وفا تھی۔ تم کیا ہو اس لڑکی کی محبت کے جواب میں تمہارے پاس کیا ہے سوائے اذیت کے تمہاری ماں بد کردار تھی تو تم اپنے کردار کو دیکھو۔ تمہاری وجہ سے ارا کو اب مرد کی صورت سے بھی نفرت ہو گئی ہو گی۔ اب اس کا اعتبار اور اعتماد کون لوٹائے گا۔“

اس کی واحد خوشی اس کا بچہ وہ بھی تم نے مار ڈالا۔ کبھی گریبان میں بھاٹکنا کہ قبر کے اندر تو حساب لگھ لے گا مگر دنیا میں تمہارا حساب کیسے ہو گا۔ میں بھی اس ماں کی بیٹی تھی میں نے بھی وہ سب دیکھا تھا مگر میں نے

اپنی ماں کو ہمیشہ دعا دی کہ خدا یا اس کی بخشش کرنا۔ اس لیے ہر سکون زندگی گزار رہی ہوں تم میں اپنے نفس سے جہاد کا حوصلہ نہیں سوا بھی تک اپنی ہی قید میں ہو۔“

”اس وقت ان باتوں کو چھوڑو ازکی تم گھر چلو بچے اکیلے ہوں گے اور تم طارق سنبھال سکتے ہو تو اسے سنبھالو دوسری صورت میں اسے ہمیشہ کے لیے اس کی ماں کے گھر بھیج دو۔“ جمیل احمد نے غصے سے کہہ کے ازکی کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے کلینک سے نکل گئے۔

”آئی ماں نے ہمارے ساتھ کوئی اچھا کیا ہے۔“ وہ بے بسی سے دیوار پر مکا مار کے بولا۔

”طارق لیکن تمہی یوں بھی تو ہوتا ہے دھارے لٹے بنے لگتے ہیں فرشتے سے بھی نا فرمانی ہو جاتی ہے ہمیشہ ماں گناہگار سے گناہگار اولاد کے لیے بخشش کی دعا بن جاتی ہے آج ایک ماں سے غلطی ہو گئی ہے تو اولاد اتنی ظالم ہو جائے کہ رب بخش دے مگر وہ بخشے سو جو تم گناہوں میں تھمڑے ہو تے بھی ماں کی گود میں جا کے سر رکھتے تو وہ تمہیں معاف نہ کرتی۔“ ازکی نے کہا اور وہاں سے نکل گئیں۔

کتنی ہی وقت حوصلہ باندھنے میں لگا۔

وہ بند یہ آنکھیں بند کیے بڑی تھی۔ نرس پہلی ڈرپ تار کے دو سری لگا رہی تھی۔

”مسٹر طارق اگر ڈراپس رکھنے لگیں تو تباہی بجے گا اور یہ جو سو جن ہے اسے ہلکے ہاتھ سے ملے گا۔“ نرس اس کی طرف مڑی تو ارا نے اور زور سے آنکھیں میچ لیں۔ آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کی تھڑی لک گئی۔ اس کی اذیت سے وہ بھلا واقف نہ تھا۔

نرس کے جانے کے بعد وہ اس پہ جھکا اور دوسرا ہاتھ تھام کے دیوانہ وار چومنے لگا۔ ارا نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا۔ قہامت سے صرف اتنا کہہ پائی۔

”مت دھوکہ دو مجھے اور خود کو۔“ نہیں رہتا مجھے تمہارے ساتھ۔“ وہ کرختگی سے بولی۔

”ارما پلینز۔ مجھے معاف کرو۔“

”ماں کو بلاؤ۔ پلینز میری ماں کو بلاؤ۔“ وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تو طارق نے اسے پکڑ کے زبردستی لٹایا۔

”ارما ڈرپ نکل جائے گی۔“

”روح نکل جائے دعا کرو۔“ اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس بیماری کے بعد اب اس کا بھی مقابلہ کرتی سو ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔

”نہیں ارا ایک دفعہ صرف ایک دفعہ معاف کرو۔“

”مجھے میری ماں کے پاس بھیج دو میں تمہیں معاف کروں گی پلینز طارق مجھے میری ماں کے گھر بھیج دو۔ مجھے یہ آخری احسان کرو۔ مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا مجھے اللہ کے لیے بھیج دو۔“

آہستہ آہستہ اس کی آواز سکون کے انجکشن میں جو تھوڑی دیر پہلے نرس دے کے گئی تھی ڈوبتی چلی گئی۔

”نہیں ارا میں تمہارے بنا نہیں رہاؤں گا۔ میں تمہیں گھر لے کے جاؤں گا اگر میں نے تمہیں تمہاری ماں کے گھر بھیج دیا تو تم واپس نہیں آؤ گی۔ میں انہیں نہیں بتاؤں گا۔ میں تمہیں ہر حال میں گھر لے کے جاؤں گا۔“ طارق نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے زبردستی گھر لے کے جائے گا مگر وہ اڑی رہی۔

”نہیں جاؤں گی میں آئی اس گھر میں اب۔ پلینز آپ ماں کو اطلاع دے دیں۔ وہ بھی نبھانے کیسی بے غم ماں ہیں اتنی اذیت مجھ پہ گزری ہے اور ان کے دل میں میری تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا۔ کوئی خواب میں اشارہ تک نہیں ملا کہ ان کی بیٹی کی ہر خوشی لٹ گئی۔ وہ دیکھتے انگاروں پہ بڑی ہے۔ کیسی ماں ہیں وہ۔“ وہ دیوانوں کی طرح سر پٹنگ سے مارنے لگی۔

”ارما پلینز خود کو سنبھالو۔“ ازکی سے برداشت نہ ہو پا رہا تھا۔

”آئی نہیں جاؤں گی میں میں طارق کے ساتھ۔۔۔“

آہستہ۔۔۔ آپ ہیں میری مجرم آپ نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ اگر آج نا کی بیٹی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں تو کل یہ سب آپ کی بیٹی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”جی نہیں ارا۔“

وہ دھاڑی۔

”ہٹ جائیں آپ میرے سامنے سے۔“ وہ ہڈیاں انداز میں پیچھنے لگی۔

”سنبھالو خود کو۔“ ازکی آئی بنا ایک لمحہ مزید رکے وہاں سے نکل گئیں طارق آگے بڑھا اور اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

”سیدھی طرح گھر چلو۔ ورنہ جا کے تمہارے ماں کے گھر کو ماں سمیت آگ لگا دوں گا۔“ وہ دہشت لہجے میں وحشت سمو کے بے دردی سے بولا تو وہ سم گئی۔

”چیپ چاپ گھر چلو ورنہ مجھ سے کسی لحاظ کی توقع نہ کرنا چلو۔“ وہ اس کے ساتھ گاڑی تک آئی تو ازکی آئی کا چہرہ کھل اٹھا یہ سوچ کے کہ ناراضی کے باوجود چھٹ گئے ہیں بھی تو وہ ان کے ساتھ آ رہی ہے۔

گھر میں خالی ہاتھوں داخل ہونے پہ دل خون کے آنسو روئے لگا۔

”آئی اسے کیا کھانا ہے۔ میں مارکیٹ سے لے آؤں۔“ طارق نے بہن سے پوچھا تو وہ انھیں اور لست بنا دی۔

انگلے دن آئی گھر جانے لگیں تو طارق نے انہیں کام والی کو بھیجنے کا کہا جو ان کے گھر کام کرتی تھی۔ ارا بالکل خاموش رہی۔ کوئی بات نہ کی۔ حالانکہ وہ اس کے اندر واضح تبدیلی دیکھ رہی تھی۔

موبائل کی قتل گئی تو ارا نے کوئی توجہ نہ دی۔ طارق نے اٹھایا اور ممبر دیکھ کے ریسو کیا۔

”ہیلو السلام علیکم۔“

”جی ٹھیک ہے ارا۔“ نظریں چرا کے کہہ۔

”جی۔۔۔ جی بات کریں۔“

”یہ لو خالہ کا فون ہے۔“ موبائل اس کی سمت بڑھایا اور خود ہار نکل گیا۔

”جی ماں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔“ خود کو سنبھالا کہ ان کو اذیتوں کا سامنا بھی بنانے کا کیا فائدہ۔

”جی تین چار دنوں بعد چکر لگاؤں گی۔“

”جی طارق بھی ٹھیک ہیں۔ ایلا کیسی ہے۔“

”نہ جانا نا خیال رکھیے گا۔“ موبائل بند کیا تو وہ

سو پلے آیا۔
”میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے انکار کیا تو وہ بالکل سانسے تن بیٹھا۔

”منہ کھولو۔ شاباش جلدی کرو۔“
”میں خود ہی لولگی۔“

”ارے آخری دفعہ معاف کرو۔“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تو ارمانے سر ہٹا لیا۔
”پلیز ارمان۔“

”طارق اگر اعتبار ہو تا تو ضرور معاف کر دیتی۔ مگر جانتی ہوں کہ یہ احساس چند دنوں سے زیادہ کا نہیں ہے اور پھر تمہاری یہ شرمندگی کیا میری اجڑی ہوئی گود کو آیا کر دے گی۔ میرے بچے کو قتل کیا ہے تم نے کسے معاف کروں تمہیں بولو یہ کوئی عام جرم ہے۔ قتل کیا ہے تم نے اسے بھی اور مجھے بھی اب کبھی تمہارا اعتبار نہیں کریاؤں گی۔ مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔“ وہ خوفزدہ نظروں سے بولی۔

وہ چیخے ہٹ گیا اسے شدید شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔ اب اعتبار کیسے دلاتا۔

”ارمان آج ارمانت یاد آ رہی ہے اس کے طرف چلیں۔“ ایملانے کہا تو وہ بھی اس کی شکل دیکھنے کو ترس رہی تھیں جھٹ باہی بھری۔
”جی ارمان میں ابھی تیار ہوتی ہوں۔“ ایملانے جھٹ کمرے کی طرف بھاگی۔

وہ ارمان کے گیت پہ نل دینے لگیں۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ کتنی ہی گھنٹیاں بچیں مگر جواب نہ ملا۔
”ارمان۔“ ایملانے آنکھوں سے آنسو آگئے۔
”لگتا ہے وہ گھر پہ نہیں ہے۔“

”ہاں ایسا ہی لگتا ہے۔“ انہوں نے بھی مایوسی سے کہا۔

”ارمان ایک منٹ موبائل پہ پوچھ لیتی ہوں۔“ ایملانے کاچہرہ یہ خیال آتے ہی چمک اٹھا مگر موبائل پہ بھی کوئی رسپانس نہ ملا۔ گھنٹیاں بچتی رہیں اور مایوسی ایملانے اور

ارمان کے چہرے پر پھیلتی چلی گئی۔

”ارمان چلیں واپس۔“ ایملانے مایوسی سے کہا تو وہ بنا کچھ بولے بٹھل اٹھیں۔

”پہلو بچے۔“ ٹیکسی پہ بیٹھتے ہوئے ایملانے اسے مسج کر دیا۔

”ارمان ایملانے دروازے۔۔۔ ارمان۔“ وہ بھول گئی کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ بنا دوپٹے کے دیوانوں کی طرح دروازے کی طرف بھاگی۔ اس کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی۔

”ارمان۔۔۔ ارمان۔۔۔“ وہ دروازہ کھول کے باہر آ گئی اور گلی میں دوڑ لگا دی۔

”ایملانے۔۔۔ ارمان میں گھر پہ ہوں۔ ارمان۔۔۔ میں یہ ہوں۔ ارمان۔۔۔“

طارق نے آفس سے واپسی پہ عجیب تماشا دیکھا۔ وہ بنا دوپٹے کے روڈ تک آ گئی تھی۔

”ارمان۔۔۔“ صدمے سے طارق کی آواز پھٹ گئی۔ وہ اسے گھسٹتا ہوا گھر کے اندر لایا دماغی حالت بگڑ گئی تھی۔

”چھوڑو مجھے۔۔۔ میں نے ارمان کے پاس جانا ہے۔“ وہ چیخنے چلانے لگی۔ طارق کے دماغ کی ریگیں پھٹنے لگیں۔

”میں نے نہیں رہنا تمہارے ساتھ۔ مجھے ارمان کے پاس جانا ہے خدا کے لیے مجھے جانے دو۔“ وہ قابو ہی نہیں آ رہی تھی۔

”ارمان۔۔۔ وہ دھاڑا اور اسے کمرے میں لے آیا۔
”نہیں چھوڑوں گا تم مجھے چھوڑنے کے چلی جاؤ گی۔ تم مجھ سے بدلہ لے رہی ہو۔ تم مجھے معاف نہیں کر رہی ہو۔ نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ ذرا فاصلے پہ بیٹھ گیا اور سر دبوچارہ زور زور سے مارنے لگا۔

”چھوڑو گی تم مجھے ہے نا چھوڑو گی نا۔“

”ہاں۔۔۔ ہاں چھوڑ دوں گی میں تمہیں تم ایک وحشی اور بے رحم انسان ہو۔ تم انسان ہو مگر نہیں مریض ہو اس لیے کہ تمہیں تمہاری ماں کی بددعا ہے۔ تم وہ بد بخت اولاد ہو جس نے کبھی اپنی ماں کے لیے دعا

والے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ تمہیں کیسے سکون مل سکتا ہے۔ تم کس منہ سے مجھے شک اور بے اعتباری کے طعنے دیتے ہو تم خود کیا ہو۔ مردوں کے نام پہ دھپا ہو تم کیا میں تمہاری اس ذلت کی سزا ہر مرد کو دوں۔

”جیسے تم اپنی ماں کی بے وفائی کی سزا ہر عورت کو دے چاہتے ہو۔“ وہ بنا کسی لحاظ کے بولی۔

”ارمان۔۔۔“ طارق کی آواز پھٹ گئی۔
”تم۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو۔“

”ہاں ہاں سب جانتی ہوں میں۔ مگر میرے نزدیک اس عورت کا جرم ایسا نہیں کہ اسے قبر تک معاف نہ کیا جائے۔ وہ اس کا نور اللہ کا معاملہ ہے مگر تمہارے جرم کی سزا کون اور کب تک دے گا یہ تم خود بتا دو۔ اللہ کے لیے اپنی ماں کو بخش دو تاکہ اللہ تمہیں سکون دے۔“ وہ کہتے ہوئے رونے لگی۔ طارق نے اپنا چہرہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

”طارق خوب صورت مرد ہے نہیں ہوتا تو خود کو اللہ سمجھ لیتا ہے مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کی بری سے بڑی خطا معاف کر دے۔ تم وشت کے گھوڑے پہ سوار ہو گے اپنی وشت کی دھاک مجھ پہ بٹھا کے کیا مجھ سے وفاداری محبت اور خوشی پاسکتے ہو ہرگز نہیں میری لٹاکی دھجیاں بکھیر کے تم نے مجھے نہیں خود کو بے وقوف کیا ہے۔ تم ایک کڑوی حقیقت کو جو تمہارے ہی وجود کا حصہ ہے کو بار بار سامنے لا کے اپنے وجود کو تنگ کر رہے ہو۔ ورنہ مجھے کیا پتا تھا کہ تمہارے ماں کون تھی کیسے مری اور کیوں مری۔“ وہ تلخ ہوئی۔

”ارمان چپ کر جاؤ۔“ وہ دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ کے چیخا۔
”جس کو سننے کا حوصلہ نہیں اسے بھول کیوں نہیں جانتے۔“ وہ طنز اُٹھائی۔

”تم اپنی ماں کے گھر جانا چاہتی ہو نا۔ آؤ میں تمہیں چھوڑ آؤں۔“ وہ بار گیا تھا۔ وہ اسے زبردستی اپنی زندگی کی ذمہ داری نہیں باندھ پایا تھا۔

وہ چپ چاپ چل پڑی۔ طارق نے کتنی دفعہ بڑی آہ سے اسے دیکھا کہ شاید وہ رک جائے مگر وہ جلدی

جلدی وہاں سے دھکنا چاہ رہی تھی۔
راستے میں بھی وہ خاموش رہا۔ ارمان نے بھی کوئی بات نہ کی۔

”ارمان۔۔۔ میرے بچے آئے ہیں۔“ ارمان نے دروازہ کھولا تو ان دونوں کو دیکھ کے کھل اٹھیں۔
”مجھے یقین تھا آج تو ضرور آئے گی۔“

”ارمان۔۔۔ ماں سے لگی تو اپنے بچے کا دکھ یاد آ گیا۔“
”ارمان میری بیٹی یہ کیا کر رہی ہے۔ چل اندر آ۔“

ارمان اسے تھام کے اندر لائیں۔
”خاتمہ اسے لٹاؤں۔“ طارق نے کہا۔

”شک کیا ہوا ہے اسے ٹھیک تو ہے تو ارمان۔“ وہ گھبرا گئیں۔

”ارمان اس سے کہیں یہاں سے چلا جائے ہمیشہ پیشہ کے لیے ارمان مریگی اس کے لیے آئندہ یہاں کبھی نہ آئے۔“ وہ دوبارہ ہلکے ہلکے رونے لگی۔

”ارمان کیا ہو گیا خود کو سنبھالو۔“ ایملانے اسی وقت اندر داخل ہوئی اور وہاں کا منظر دیکھ کے گھبرا گئی۔ طارق وہاں سے نکل گیا۔

”ارمان۔۔۔“ اور ارمان نے اپنا سارا دکھ حرف حرف کھول ڈالا۔

”ارمان طارق کی ماں کی تصویر یہ ہے۔“ ارمان نے پرس سے تصویر نکالی اور نظریں ارمان کے چہرے پہ جما دیں۔ حال ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک چارہ تھا۔

”ارمان۔۔۔ یہ تو۔۔۔ یہ تو میری ماں جانی ہے میری بہن میری زری باجی۔“ ارمان ان کی تصویر سینے سے لگا کے زار و قطار رونے لگیں۔

”ارمان طارق اور ان کی میرے اپنے بچے ہیں۔“ یکدم ان کی آنکھیں پھٹنے لگیں وہ بھول گئیں کہ کچھ دیر پہلے انہیں طارق سے کتنی نفرت ہوئی تھی جس نے ان کی پھول سی بچی کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔

”مگر ارمان ابھی اس بات کو کسی سے نہ کہیں گے۔“ خاص طور پہ طارق کے سامنے۔“ ارمان نے انہیں سمجھایا۔

”تمہیں اب بھی طارق کا خیال ہے حالانکہ کچھ دیر پہلے تو تم ان سے علیحدگی کا اعلان کر رہی تھیں۔“ ارمہ نے ہنسی ہونٹوں تلے دیا کے شرارت سے کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

”لے اللہ نہ کرے۔ حالات کبھی اس رخ پہ آجاتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس بچے کو ختم چھوڑ دیں۔“ اماں کی محبت بھانجے کے لیے بڑھنے لگی۔

”اماں مجھے والے دن خالہ کی برسی ہے۔ ازکی آپنی نے بتایا تھا وہ ہر برسی پہ ان کے لیے قرآن خوانی کرواتی ہیں۔ اس بات کا طارق کو علم نہیں مگر وہ اپنی ماں کی دعا میں طارق کے ہاتھ ضرور اٹھواتی ہیں۔“ وہ سر جھکا کے بولی۔

”اچھا ایک کام تو کر میرا ذرا ازکی کو تو فون لگا۔“ اماں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیوں اماں۔“ ایلٹا نے نمبوں پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”تو بات کرا۔“ وہ گہری سوچ میں تھیں۔ ارمہ نے آنکھیں موند لیں اور تصور میں اس بے وفا سے ڈھیروں شکوے کرنے لگی۔

”ابھی تو جدائی کا فیصلہ کیے چند لمحے بھی نہیں گزرے کہ یادوں نے دل کی سلطنت میں پھل مچا دی تھی آگے زندگی کا سفر کیسے کئے گا تم بن کیسے یہ زندگی گزرے گی۔“

اگلے دن ازکی صبح سویرے آن پہنچیں۔ ان کی گفتگو سے ارمہ کو اندازہ ہوا کہ ابھی ازکی آپنی کو اماں نے اپنا رشتہ نہیں بتایا تھا۔

”خالہ جی یقین کریں وہ ارمہ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ بس وقت اور حالات نے اسے ایسا کر دیا ہے کہ وہ خود پہ ضبط نہیں کر پاتا۔“

”ازکی پھر یہ مسئلہ تو آگے بھی چلا رہے گا۔“

”ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ محبت پیار سے ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں اپنی بیٹی کی زندگی تجویز کی بھیجٹ نہیں چڑھا

سکتی۔ ہاں اگر میں تمہاری خالہ نہ ہوتی تو یقیناً کوئی بہت بڑا فیصلہ کرتی۔ مگر جب رشتے خون سے جڑے ہوں تو انسان ہر بات میں بہترین نتیجے کا ہی سوچتا ہے۔ ہاں اگر میں نے تیری ماں کے ساتھ نہ جنم نہ لیا ہو تا تو کبھی اپنی بیٹی کو قربان نہ کرتی۔“ وہ ازکی کو خود سے لگا کے رونے لگیں۔

ازکی کچھ نہ سمجھتے اور پھر بہت کچھ سمجھتے ہوئے ان سے لگ کے وہ تمام آنسو بہا۔ منہ نہیں جو شاید آج تک نہ بے تھے۔ طارق نے تو کئی دفعہ اپنا غصہ نکالا تھا مگر وہ تو آج تک اپنے اندر ہی آنسو گراتی رہی تھیں آج جس سینے سے لگی تھیں اس نے عمر بھر کی پیاس بجھا دی تھی۔

”خالہ اماں کی برسی مجھے کو ہے آپ آئیں گی تو مجھے لگتا ہے جیسے اب انہیں سکون آجائے گا۔“

”ارمہ اب تو تم سے اور بھی محبت ہو گئی ہے۔“ ازکی آپنی نے جاتے ہوئے اسے بھینچ کے سینے سے لگایا اور اس کا ہاتھ چوم ڈالا اور بڑی آس سے پوچھا۔

”میرے بھائی کو چھوڑنے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔ وہ مر جائے گا۔“

”آپنی اس بات کو دہنیں۔“ ارمہ نے نظریں چرا کے کہا کہ وہ طارق پہ اب اور اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔

”ارمہ پلین۔“ ازکی کی آنکھوں میں التجا تھی۔ ارمہ کی نظریں جھٹک گئیں۔

☆ ☆ ☆

مجھے یاد ہے تیری شوخیاں تیری مستیاں میرے دل میں ہیں تیری چاہتیں مجھے سب کو چھوڑ کے پاؤں گا جو خفا بھی ہو تو مناؤں گا میرے پیاس آئے تو دور جا کہ جدائیاں ہیں بڑی کٹھن اور

یہ راستے ہیں بہت و شوار میں ان پہ چل ہی نہ پاؤں گا جو چلا تو جان سے جاؤں گا میرے دل سے لگ مجھے نہ سنا مجھے آ کے مل کہ جو تو ملے مجھے یہ جہاں ملے مجھے دولت وہ جہاں ملے مجھے کھوکھلے کی میں نہ پاؤں گا جو مرنا تو سب کو رلاؤں گا میرا تجھ سے وعدہ ہے آج بھی تجھے ہر خوشی میں دلاؤں گا تجھے کبھی نہ میں ستاؤں گا تیری تیز نظروں کو بھول کر تیرے ناز سب میں اٹھاؤں گا تیری سخت باتوں کو بھول کر تجھے چاہوں گا تجھے چاہوں گا

”ارمہ لوٹ آؤ۔“ اعصابی تناؤ پر دھتاجار ہاتھ نہ کرنا چھوٹ چکی تھی وہ پھوڑ کے جا چکی تھی۔ مایوسیوں کے بادل چاروں جانب پھیلنے چلے جارہے تھے۔ ازکی آپنی کہہ رہی تھیں کہ ارمہ لوٹ آئے تو تیار نہیں۔

”نہیں ارمہ۔۔۔ لوٹ آؤ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا میں خود کو مار ڈالوں گا میں تمہیں خود سے جدا کرنے سے پہلے خود کو مار ڈالوں گا۔“ وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ اس کا بلڈ پریشر دھتاجار ہاتھ نہ

وہ اٹھا اور ارمہ کی الماری کھول کے اس کے چیرس ادھر ادھر پھینکنے لگا۔ یکدم ہاتھ کسی سخت سی چیز سے ٹکرایا۔

وہ اس لفافے کو کھولنے لگا۔ یہ ارمہ کا دوپٹہ تھا جو شادی والے دن اس نے پہنا تھا۔

طارق کچھ سمجھ نہ پا رہا تھا کہ وہ کیا ہے۔ اس نے بیڈ پہ رکھا اور دھیرے دھیرے ارمہ کے دوپٹے کی تمہیں کھولنے لگا۔ سب سے اوپر سفید لٹھے کا کپڑا پڑا تھا اور اوپر ایک خط تھا۔

☆ ☆ ☆

دنیا بھر سے منتخب مہیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

(مئی 2010 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے)

Email: id@khawateendigest.com

☆ ”میں کا دیوتا“ اس تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں جنگوں کا احوال ملے گا وہیں محبت کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔

اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق،

☆ ”سحر زادی“ بعض اوقات انسان کی زندگی ایسے ایسے موڑ اختیار کرتی ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک حوصلہ مند نوجوان کی داستان۔ سہانہ راشد کے قلم سے،

☆ ”کاروان“ وہ خاندانی وقار رکھتا تھا، وہ نا تجربے کا تھا، مگر معاشرے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا، زندگی کی سچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں داستان، ایم اے راحت کے قلم سے،

☆ ”سانجھ کی بیل“ آخری منگھات پر ایم اے راحت کی معاشرتی تحریر،

☆ ٹکلی وغیرہ کی ادب سے انتخاب،

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب ”بچی داستانیں“،

☆

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

☆ ☆ ☆

”طارق میں نہیں جانتی کہ یہ وقت جب آیا تو میرے نام کے ساتھ تمہارا نام ہو گیا نہیں مگر پھر بھی میرا دل اسی رشتے کو لے کے قبر تک جائے گا جس کا تمہیں بھی اعتبار نہیں آئے گا۔ یہ میرا کفن ہے جو تمہاری کمائی سے خریدا ہے تاکہ مجھے کفن بھی کسی اور کا نصیب نہ ہو۔“

یہاں تک ہی رہا تھا کہ طارق کا پورا وجود کانٹے لگا ٹانگوں سے جان نکلنے لگی۔ پسینے سے پورا جسم جھیک گیا۔ وہ بے دم ہو کے بیڈ پر گرا۔

”طارق عورت سر لیا محبت ہے۔ وہ بھی جو مرگئی اور یہ بھی جو مرنے کو تمہارے نام پر تیار ہے۔ باقی غلطیاں تو انسان سے ہو ہی جاتی ہیں۔ تمہیں تو شیطان بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اور انسان تو ہے ہی خطاؤں کا پتلا اور پھر پاک رب نے بھی تو معاف کر دینے والے کو معاف فرمایا ہے۔ آرماء اور پھر اس کی لذت کو محسوس کرو کہ معاف کر دینے کے بعد کیا سکون ملتا ہے۔ جیسے مجھے تمہیں معاف کر کے ملا ہے۔ تم انہیں معاف کرو پھر دیکھنا وہ سب بالوگے جو کھو دیا ہے کہ ماں کی آنکھ تو بند ہو کے بھی اولاد کی نگرانی کرتی ہے۔“

ارما۔
ایک چپ تھی جولیوں پر موجود تھی۔ آنکھ کھلی تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اٹھا اور اپنے بکھرے وجود کو سمیٹا وضو کر کے نماز ادا کی اور با آواز بلند سورۃ لیس کی تلاوت کی۔ ہاتھ اٹھے تو دعا آنسوؤں میں ڈھل گئی۔

”میری ماں مجھے معاف کر دینا۔ میری ٹاواٹیوں کو“ میری کوتاہیوں کو معاف کر دینا۔ میرے اللہ مجھے بخش دے۔ میں تم عقل نا سمجھ تھا مجھے معاف فرما۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آج کے دن آپ کیوں قسم القرآن کرواتی تھیں۔ میں نے ننھے سے بچے کی طرح ضد لگائی ضرور مگر دعا والے ہاتھ ماں مجھے پکارتے تھے مجھے اپنی ماں سے ضد ہو گئی تھی مگر بھی تو میری ماں۔ بھول جیسے جاتا اسے وہ یاد ہے، بھی اور سدا رہے گی مگر اب انا کا دامن جھٹک کے بلند آواز میں اپنی ماں کو تسلیم

کروں گا۔ ماں۔ میری ماں مجھے معاف کر دے۔“
شیو برہمی ہوئی تھی کپڑے ملگے تھے مگر وہ اٹھا اور ان کی آپ کی جانب گیا۔
”طارق بیٹا۔“ دروازے پر ارما کی اماں کھڑی تھیں۔

اس نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔ ان کا دل اس کی ظاہری حالت پر کٹا اگر اندر کا حال دیکھتیں تو فوراً آگے بڑھ کے تھام لیتیں اور ارما کو بھی اس کے سامنے لے آتیں۔
”السلام علیکم۔“

”جیتے رہو۔“ اوھر آو تم سے بات کرنی ہے۔“ وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کے کمرے کی طرف بڑھیں تو وہ فوراً پیچھے ہٹا۔

”نہیں خالہ۔“ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا بات کریں گی۔
”طارق بیٹھو یہاں اور میری بات کا جواب دو۔“
اماں ڈٹی رہیں۔ وہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔
”طارق میں ارما کی کوئی بات نہیں کرنے آئی ہوں۔“ ماں نے کہا تو وہ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا جیسے ان کی بات کا یقین نہ کیا رہا ہو۔
”جی۔۔۔ مگر خالہ۔“

”ہاں ارما کی ماں تھی تو اندیشوں میں گھر گئی تھی مگر جب تیری ماں ہونے کا احساس ہوا تو دل تیری طرف مڑ گیا ہے۔“

”میری ماں۔۔۔“ وہ کچھ نہ سمجھا۔
”اس تصویر کو پہچانتے ہو۔“ اماں نے بہن کی تصویر آگے کی تو طارق نے بے تابی سے تصویر ان کے ہاتھ سے کھینچی۔
”یہ تو۔۔۔ میری ماں ہے۔“

”اب مجھے دیکھ۔“ ان جھریوں زدہ چہرے میں تجھے کھوئی ہوئی ماں ملے گی۔ دیکھ میری طرف۔۔۔“
”خالہ۔۔۔“ وہ ابھرا مگر رشتہ زبان سے ادا ہو ہی گیا۔
”مجھے پہچان میرے بچے تیری ماں نے میرے ساتھ جنم لیا تھا۔ وہ میری ماں جانی تھی وقت اور حالات

انسان کو جدا ضرور کر دیتے ہیں مگر خون اپنی کشش سے مل کر رہی رہتا ہے۔“ وہ طارق کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کے بولیں۔ آنکھیں برس رہی تھیں۔ بوڑھے ہاتھ ان کے وجود کے ساتھ دھیرے دھیرے کلب رہے تھے۔ آواز لرز رہی تھی۔ وہ سب یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔

اس کے لب پہ مگر آواز نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔
ازکی آگے بڑھی اور خالہ سے لپٹ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد جب طارق بے حسی کی کیفیت سے نکلا تو ان سے لگ کے یوں رویا کہ منظر دھلتے چلے گئے۔
”خالہ۔“ رشتوں کی تسکین ان کے ناموں سے بھی ہوتی ہے یہ آج طارق نے محسوس کیا تھا کہ واقعی اپنی ماں کو پا چکا تھا کہ اس کا دل گواہی دے رہا تھا۔
وہ مسرور تھا کہ اسے سکون مل گیا ہے اس نے ماں کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ نے اسے وہ رشتہ لوٹا دیا۔
”خالہ جان۔“ ازکی قرآن پڑھا جا رہا ہے کھانا بھی تیار ہے آئیں دعا کر لیں کہ بچے کھانا کھائیں۔“ جمیل احمد نے اندر آتے ہوئے مسکرا کے کہا اور طارق کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا۔

ارما خواہ مخواہ کی خدمت لگاؤ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔“ طارق اور ازکی اسے لینے آئے تھے مگر وہ انکاری تھی۔ بلکہ اس کے سامنے ہی نہیں آ رہی تھی۔

”اماں یہ غلطی نہیں ہے۔ گناہ تھا جرم تھا جو اس نے کیا ہے۔ آپ بھلنے کی محبت میں بھلے سب کچھ بھول جائیں مگر میں کچھ نہیں بھولی۔ اس شخص نے مجھے اندر سے مار دیا ہے میں اس پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ وہ وحشی ہے ماں۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔“ وہ چیخ چیخ کے بولی اور پھر رو پڑی۔

”ارے پاگل وہ اور حالات تھے اب تو نے اسے دیکھا ہے وہ کتنا شرمندہ ہے۔“ وہ اسے بازو سے پکڑ کے جھنجھوڑتے ہوئے بولیں۔

”اماں وہ ہرزخم لگانے کے بعد اتنا ہی شرمندہ ہوتا ہے جتنا آج ہے اب اعتبار نہیں رہا۔“
”تو بات تو کر اس سے۔“ انہوں نے بے بسی سے کہا۔

”نہیں اماں مجھے مجبور نہ کریں۔“ وہ منہ موڑ کے اندر چلی گئی۔
اس کے بعد ازکی نے ہر طریقے سے اسے منانے کی کوشش کی مگر وہ ڈٹی رہی ہر کوئی ہار گیا کوئی اس سے نہ منوا سکا۔

خود طارق۔ طارق نے اس کا سامنا ابھی تک نہ کیا تھا۔ اسے کھونے سے ڈر لگ رہا تھا اور ارما۔ یوں ڈٹ جائے گی خود ارما کو بھی یقین نہ تھا۔

”تو یہ کیا کر رہی ہے ارما۔“ ایلانا نے حیرانی سے گم سم بیٹھی ارما کو سوچوں کے سمندر سے نکالا۔
”ہوں۔۔۔ کیا کر رہی ہوں۔“ وہ چونک گئی۔

”خود کو تباہ کر رہی ہو۔ دیکھ اپنی آنکھوں کو اپنے چہرے کو جس پر ہر طرف اس سے جدائی کا دکھ نظر آ رہا ہے۔ کسے دھوکا دے رہی ہے خود کو یا ہم سب کو؟ حالت دیکھ اپنی۔“ ایلانا نے سختی سے کہا۔

”ایلانا دھوکہ تو تب دوں جب اس کی محبت سے انکاری ہوں۔ میں تو اس کے بنا کچھ بھی نہیں مگر آسمان راستہ دے دینا غلطی نہیں۔ اس وقت وہ جذباتی ہو رہا ہے اپنی ماں کو بخش دیا ہے۔ اماں کی صورت ماں مل گئی۔ سکون ہے اس کے پاس مگر مجھے پانے کے لیے اسے خود کو ثابت کرنا پڑے گا۔ میری محبت کا ثبوت دینا پڑے گا۔ اسے اندر کے کمزور انسان کو مارنا پڑے گا۔ اسے نفسیاتی کشمکش سے نکلتا پڑے گا۔ اسے میرا ہونے کا ثبوت دینا پڑے گا۔ وہ کیوں دو سروں کے کندھوں کا سہارا لے رہا ہے۔ اعتماد اور یقین کے ساتھ کیوں ایک دفعہ بھی میرے سامنے نہیں آیا۔ وہ

کے سامنے تھا۔ اسی نامی جان کی طرف مئی ہوئی تھیں اور ایلا مسکرا کے کچن میں چلی گئی کہ طارق کی چل کا اعتماد بناوے رہا تھا کہ وہ آج اس کے دل کو فتح کر لے گی۔

”آپ۔۔۔“ اس کی نظریں جھکیں۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا۔ شام بکھولا اور اس سے دوپٹہ نکال کے اس کا اوڑھ لیا جب نظریں اٹھیں تو سرخ رنگ کا جھلکا نا دوپٹہ ہر طرف اپنی چمک سے روشنی کر رہا تھا۔

”سنو کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ انسان کچھ نہ بولے اور صبح کر لے۔ دوسرے کو تسخیر کر لے میں یہی چاہتا ہوں کہ اس بڑھے ہوئے ہاتھ کا اعتماد تمہیں جیت لے۔ میرے ہاتھ میں اس اعتماد سے ہاتھ دو کہ یہ شخص صرف تمہاری وجہ سے اعتبار کے معنی سے واقف ہوا ہے اور اب اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کے چلنا تمہارا حق بھی ہے اور فرض بھی۔“ وہ ہاتھ آگے کر کے بولا۔

”طارق مجھے انتظار تھا اس دن کا جب آپ مجھ سے نہیں بلکہ خود سے حیرت کے مجھ تک آئیں گے اور آج مجھے آپ کے چہرے پہ وہ اعتماد و اعتبار نظر آ رہا ہے جو عورت مرد سے چاہتی ہے۔ جو گھر کی دیواریں کو مضبوط کرتی ہے۔ جو عورت کی توقیر کا سبب ہوتا ہے۔ طارق مرد ہونا کمال نہیں بلکہ باکمال ہونا اہم ہے جسے پاک رب نے انسان کو اس اعتماد کے ساتھ اشرف المخلوق کا درجہ دیا کہ وہ اس کی محبت کا اس کے پیچھے ہوئے احکامات کا مان رہے گا اور اس نے عورت کو کیا درجہ دیا اسے تسلیم کرنا ہی مردانگی ہوتی ہے یہی کمال ہے اور یہی اعتبار۔ آئیں اب چلیں۔“ وہ مسکرا کے آگے بڑھی اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے قدم سے قدم ملا کے چلے گئی۔

اس اور ازکی کے ذریعے مجھ تک آنا چاہ رہا ہے۔“ اس نے اس میں تو کبھی تھی کہ۔۔۔“ ایلا اس کی باتوں پہ الجھ گئی۔

”مخلط سمجھ رہے ہو تم سب اور وہ بھی کہ وہ یوں ہی مجھے بلے گا۔ اس انتظار بھلے خود محبت کی آگ میں جلتی رہے مگر خود کو منوائے بغیر نہیں جائے گی اس کے ساتھ یہ میری محبت کا بھی غور ہے جو مجھے عزیز ہے۔“ اس نے فیصلہ سنایا اور اٹھ کے کمرے میں چلی گئی۔

وقت دنوں کی صورت گزرنے لگا۔ دنوں محاذوں پہ خاموشی تھی۔

”طارق تم وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔ کیوں خود نہیں جاتے اس کے سامنے۔“ ازکی آپنی نے غصے سے کہا۔

”آئی میں اس خوف سے اس کے سامنے نہیں جا پا رہا کہ اگر اس نے انکار کر دیا اور مجھے خود یہ ضبط نہ رہا تو بات بگڑ نہ جائے وہ کیوں نہیں سمجھ رہی کہ وہ میرے لیے بہت کچھ ہے۔“ وہ ایک کمزور شخص بن گیا تھا۔

”یہی تو تمہاری وہ کمزوری ہے جس پہ تم نے قابو پانا ہے۔ تم نے خود سے اسی مقام پہ تو جنگ کر لی ہے۔ ہمیں سے تم نے اسے فتح کرنا ہے اعتبار دینا ہے۔“ ازکی نے مایوس بیٹھے طارق کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں آئی مجھے ہمیں سے جنگ کا آغاز کرنا ہے۔“ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

وہ رات آنکھوں میں کٹی اور صبح روشن تھی یہ اسے یقین تھا کہ جب بندہ اندر سے خود کو مضبوط کر لے تو یقین خود بخود رگوں میں دوڑنے لگتا ہے۔

وہ مارکیٹ آیا اور ایک بوتھ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

اور پھر مسکرا کے شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ایک گھنٹے بعد کچھ تحفوں کے ہمراہ وہ اس کے